دَیر و حَرَم

دَیر و حَرَم

شنکر لال شنکر

حسر ہوشیار پوری نے محبوب المطابع پریس اُردو بازار دہلی سے چھپوا کر شائع کیا

غزلیات

صفحہ ۲۵ سے ۳۱۲ تک

متفرقات

صفحہ ۳۱۵ سے ۳۲۸ تک

بیادِ شنکر

شاعرِ انقلاب حضرت جوشؔ ملیح آبادی

ہرشنکر لال صاحب ایک بڑے سرمایہ دار تھے۔ سرمایہ داری کی آنکھوں میں، مئی جون کی طرح، مروّت کی ایک چھینٹ بھی نہیں ہوتی، اس لئے کہ مروّت اس دنیائے سرمایہ میں موت کا پیغام ہے۔

سرمایہ داری کو اس پورے کرۂ ارض، اور اس تمام نظامِ شمسی میں سُود و زیاں کے نقوش کے علاوہ اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔

سرمایہ داری کے دل کے سامنے آہن و سنگ ریشم کے لچھّے اور موم کے کھلونے معلوم ہوتے ہیں۔ کس قدر ترس آتا ہے اُن غرض کے اندھوں پر جو بے چارے ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ سرمایہ داروں کے پاس امداد حاصل کرنے جاتے ہیں۔ انھیں اس حقیقت کا علم نہیں ہوتا کہ دولت سب سے پہلے اپنی خواہشوں کا گلا گھونٹتے رہنے سے جمع ہُوا کرتی ہے، اور جو لوگ خود اپنی تمنّاؤں کے خون سے سونا بناتے ہیں، وہ اپنے پر بھی مہربان نہیں ہوتے، اور ظاہر ہے کہ جو خود اپنے پر مہربان نہ ہو، وہ کسی اور پر کیوں کر مہربان ہو سکتا ہے۔ تو بخویشتن چہ کردی کہ بما کنی نظیری!

سرمایہ دار جب کبھی کسی کے ساتھ سلوک کرتا ہے تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ پیشتر سے اُسے اس بات کا یقینِ کامل ہو چکا ہے کہ میرا یہ چھوٹا سا سلوک میرے واسطے اپنی جلو میں ایک بہت بڑا سلوک اور ایک نہایت نفع بخش بیوپار لائے گا۔

میں نے سرمایہ داروں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اُن کی اداؤں، اُن کے لہجوں، اُن کے تیوروں اور اُن کی مسکراہٹوں کو اچھی طرح جانچا، پرکھا، تولا اور ناپا ہے۔

اور تو اور خرابات کی سی پاکیزہ فضاؤں میں بھی سرمایہ دار ہمیشہ سرمایہ دار ہی رہتا ہے، کبھی رندِ لاُابالی نہیں بننے پاتا۔

اگر مے کدے میں وہ کسی دوست کو اپنی جانب سے ایک جام پیش کرتا ہے، تو پہلے سے خوب ٹھونک بجا کر اس

ندازہ کو نیتا ہے کہ اُس کا دوست، اس کے معاوضے میں، کم سے کم، دو جام تو ضرور ہی پیش کرے گا۔ اور جام تو پھر
م ہے، یہ اپنے سگریٹ کا بھی معاوضہ چاہا کرتا ہے۔ اس کے دوش بدوش سرمایہ دار کا ایک خصوصی وصف یہ بھی
تا ہے کہ وہ علم و ادب کے قریب بھی نہیں پھٹکتا۔ جس محفل میں علم و ادب کا چرچا ہو وہاں سرمایہ دار صاحب کو لے جا
ٹھا دیجئے اور دیکھ لیجئے کہ اُن کے رُوئے مبارک پر وہ تمام کرب کے آثار ہیں کہ نہیں جو ایک نوجوان بیوہ کے چہرے
وئل کی کوک سے اُبھر آتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ دولت کی سواری اُلّو ہے اور علم کی سواری ہنس ہے اور اس حقیقت سے ایک دنیا واقف
کہ اُلّو ہنس سے بے حد نفرت کرتا ہے۔

سو جناب والا ہمارے مرحوم دوست شنکر لال صاحب اسی مقدس گروہ کے ایک نمایاں فرد تھے۔

لیکن میری طرح یہ معلوم کر کے دُنیا کے ہر عاقل و بالغ کو حیرت ہوگی کہ:۔

(۱) شنکر لال صاحب کی آنکھوں میں مروّت تھی؛ وہ مروّت جو سرمایہ داری کے اخلاقیات میں ویسا ہی مہا پاپ
جس طرح ہندوؤں میں گؤ ہتیا اور مسلمانوں میں سُوّر کا گوشت۔

(۲) شنکر لال صاحب کا دل نہ تنگ تھا، نہ سخت۔ وہ دردمند انسانوں کی امداد کرتے تھے۔ اور یہ وہ شئے ہے جو
نیت سرمایہ داری میں سب سے بڑا کفر ہے۔

(۳) شنکر لال صاحب کو علم و ادب کا بھی ذوق تھا، اور اس قدر کہ ذوقِ ادب کی قربان گاہ پر وہ دولت کی
ٹ چڑھایا کرتے تھے۔۔۔ واضح رہے کہ علم و ادب اور شعر و سخن کا ذوق، سرمایہ داروں کی دُنیا میں وہ مکروہ چیز
جاتا ہے جسے عرفِ عام میں بے حیائی اور بد چلنی کہا جاتا ہے۔

(۴) اور شنکر لال صاحب کو مجلس آرائی کا بھی شوق تھا، وہ مجلس آرائی جس سے اُن کا طبقہ ہیضے اور طاعون
رح خوف کھاتا اور جس کے بارے میں یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ مجلس آرائی وہ ڈائن ہے جو انسان ہی کو نہیں
س سے بھی بہت بڑی چیز یعنی انسان کے دھن کو بھی کھا جاتی ہے۔

شنکر لال صاحب کے ان متذکرہ بالا صفات پر نظر کرنے والا اگر حیرت کے دریا میں غوطے نہ کھائے
کیا کر سکتا ہے۔

سرمایہ داروں کے حلقے میں شنکر لال صاحب کی وہی حیثیت تھی جو خلیل کو بت کدۂ آذر میں حاصل تھی۔ میری اُن مرحوم کی ملاقات مسز سروجنی نائیڈو کی معرفت ۱۹۲۴ء میں ہوئی تھی۔ جب کہ نظامِ حیدر آباد کا معتوب ہو کر میں دہلی میں آ کر مقیم ہوا تھا، اور یہاں سے میں نے ایک ماہ نامہ "کلیم" کے نام سے بلاشرکتِ غیرے جاری کیا تھا۔ مجھے اُن کی وہ پہلی ملاقات اب تک یاد ہے، کس قدر حیرت ہوئی تھی مجھے یہ دیکھ کر کہ ایک بہت بڑا سرمایہ دار ایک میرے سے نادار کے ساتھ اس قدر انکسار واحترام سے پیش آ رہا ہے اور اب جب کہ ۱۹۴۸ء سے میں دہلی میں دوبارہ مقیم ہوں، میرے اور مرحوم کے تعلقات بہت گہرے ہو گئے تھے اور میں اُن کا رفیقِ خلوت و جلوت ہو گیا تھا۔

میری آنکھوں کے نیچے بزمِ شنکر کی وہ نشیلی راتیں اب تک پھرا کرتی ہیں جن کے رامش و رنگ میں گم ہو کر ہم شبستانِ ایک نامعلوم جزیرے میں پہونچ جاتے تھے جہاں ستاروں کی قطار لڑکھڑاتی، زہرہ بھاؤ بتاتی، فضا کمر لچکاتی اور ہوا سارنگی بجاتی تھی۔

جب کہ میری بے شمار نوجوانی کی راتوں کی طرح میری یہ آخری راتیں بھی زمانہ مجھ سے چھین کر لے گیا۔ شنکر لال صاحب کی شمعِ حیات گُل ہوتے ہی اُن راتوں کے تمام فانوس دھوئیں میں تبدیل ہو کر رہ گئے۔ اور زندگی کو اُن روشنیوں سے محروم کر دیا جن سے مَس ہو کر غمِ دوراں کے اندھیرے غائب ہو جایا کرتے تھے۔

ابھی مرحوم کے مرنے کے دن نہیں تھے لیکن موت کی سرکار میں پیر و جواں کا کوئی سوال نہیں۔ بہرحال اب اس خیال سے تسکین ہوتی ہے کہ —— آج وہ، کل ہماری باری ہے!

اب رہی مرحوم کی شاعری، سو اُس پر میرے دوست حضرت مانیؔ، حضرت سحرؔ، حضرت ساحرؔ اور میاں آزادؔ اس قدر روشنی ڈال چکے ہیں کہ اس سلسلے میں مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ ان کا کلام اُن کی دولت مندی کے دریا کی ایک ایسی لہر ہے جس میں بیان کی رنگینی اور زبان کی شیرینی کے بے شمار موتی جگ مگا رہے ہیں۔ اُن موتیوں میں کہیں تو میرزا داغؔ کا رنگ ہے، کہیں مومنؔ خاں کے نقوش ہیں اور کہیں میرؔ کے آنسوؤں کی آب ہے۔ آپ کو مرحوم کے کلام میں صوری اور معنوی حیثیت سے بڑی رنگا رنگی ملے گی اور یہی وجہ ہے کہ اُن کی شاعری ایک ایسا طلسمی خیمہ ہے جس کے اندر شعر و سخن کی نہ جانے کتنی روحیں اپنے اپنے ستار چھیڑتے ہوئے رقصاں و غزل خواں نظر آتی ہیں۔

اور یہ ہے وہ ہمہ گیری جو بہت ہی کم شاعروں کے حصے میں آتی ہے

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری ‏ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

پیش لفظ

کنور مہندر سنگھ صاحب بیدی سحر

مسٹر شنکر لال پرچ چار ... انسان تھے۔

اُن کی سرگرمیوں اور دلچسپیوں کا میدان بہت وسیع تھا۔ وہ نہایت ہی کامیاب تاجر، بیدار مغز صنعت کار
رنجیدہ کار منتظم تھے۔ دہلی کلاتھ اینڈ جنرل ملز کے مینیجنگ ڈائرکٹر کی حیثیت سے انہیں بے شمار صنعتی اور تجارتی مسائل
سامنا ہوتا تھا اور کاروباری دنیا کے بہترین دماغوں سے سابقہ پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ اس عظیم الشان ادارے
انتظامی معاملات بھی بہت سی اہلیتوں اور صلاحیتوں کے متقاضی تھے۔ ان تمام مطالبات سے وہ جس قابلیت
کامیابی کے ساتھ عہدہ برا ہوتے رہے وہ اسی صورت میں حاصل ہو سکتی تھی کہ انسان کلیتہً کاروباری
بن جائے اور اُس کی تمام تر توجہ ان ہی معاملات پر مرکوز رہے۔

لیکن سر شنکر لال کی صلاحیتیں اتنی محدود نہ تھیں بے شک وہ پکّے کاروباری آدمی تھے اور اپنے کاروباری
بزنس پر پوری پوری توجہ مبذول کرتے تھے۔ لیکن اس کے علاوہ وہ اور بھی بہت کچھ تھے۔ وہ ایک شریف الطبع
پابند وضع انسان تھے۔ وضع، شرافت اور ریاست تینوں کے تقاضوں اور لوازم سے آگاہ۔ وہ ایک ہندوستانی
جنہیں وطن عزیز کے مستقبل کے ساتھ اُس کے ماضی سے بھی پیار تھا۔ پھر وہ ایک دہلوی تھے جنہیں دلّی کی روایات
کلچر سے عشق تھا۔ اور جو ان روایات اور کلچر کو زندہ رکھنا اپنا نہایت ہی اہم فرض سمجھتے تھے۔

انہیں ضروریاتِ زندگی اور آرام و آسائش کے جدید ترین لوازم حاصل تھے۔ انہوں نے ان سے حسب ضرورت فائدہ بھی اُٹھایا۔ لیکن اپنی مشرقیت کو کبھی خیرباد نہیں کہا۔ مشرقی لباس اور مشرقی آداب سے انہیں دلی لگاؤ تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ہمارے ہندوستانی طرزِ بود و ماند اور اخلاق و تمدن کے بہترین نمائندوں میں سے تھے۔

ایسی طبیعت اور ان صلاحیتوں کا مالک محض کاروباری زندگی کی بے کیف یک رنگی پر کس طرح قانع رہ سکتا تھا؟ چنانچہ مرحوم کی سرگرمیوں میں چند دلچسپیاں بھی شامل ہوگئیں۔ جن میں شعر و شاعری کو خاص مقام حاصل تھا یوں تو وہ بہت سی پبلک سرگرمیوں اور فنونِ لطیفہ کی سرپرستی میں حصہ لیتے تھے۔ مگر شعر و ادب سے خاص شغف تھا۔ مادیت کی موجودہ ہڑبونگ میں بھی بعض رئیسوں نے فنونِ لطیفہ کی سرپرستی کی۔ لیکن محض نام و نمود کے لئے یا زیادہ سے زیادہ لازمۂ ریاست سمجھ کر۔ لیکن سر شنکر لال اسے لازمۂ شرافت سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی سرپرستی نے زبانی تائید اور مالی امداد کی حدود سے آگے بڑھ کر عملی دلچسپی کی صورت اختیار کرلی اور وہ شاعر نوازی کو کافی نہ سمجھ کر خود شاعر بن گئے۔

میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ سر شنکر لال ایک پابندِ وضع رئیس اور ہندوستانی آداب اور کلچر کے شیدائی تھے۔ اس کے بعد یہ کہنے کی شاید ضرورت ہی نہیں رہتی کہ وہ بے حد خلیق، متواضع اور ملنسار تھے۔ نیز ان کی دوستی، میل جول اور بات چیت میں اخلاص کا عنصر نمایاں ہوتا تھا۔ خدا نے انھیں دردمند دل دیا تھا اور وہ کسی انسان کو مصیبت میں دیکھ کر بے تعلق اور خاموش نہ رہ سکتے تھے۔ اہلِ علم و ادب کے معاملے میں ان کی یہ صفت (جسے عام کاروباری سرمایہ دار غالباً کمزوری قرار دیں گے) بہت جلد اور ایک قابلِ ستائش بے ساختگی کے ساتھ بروئے کار آتی تھی۔ جب بھی کسی مصیبت زدہ ادیب نے یا اُس کے لئے کسی دوست نے امداد کی درخواست کی مرحوم نے بے تامل اور نہایت خندہ پیشانی سے مدد کی۔ خود مجھے بارہا انھیں مستحق اہلِ قلم دوستوں کی ضرورت مندی پر توجہ دلانے کا اتفاق ہوا اور کبھی مایوس نہیں ہونا پڑا۔ بلکہ ہر مرتبہ اس بات پر خوشی ہوئی کہ میں نے اس درخواست کے لئے سر شنکر لال کو منتخب کیا۔ اسی طرح ادبی اداروں کی امداد و اعانت کے لئے بھی عام طور پر اسی "دستِ غیب" سے رجوع کیا جاتا تھا۔ ایسے ہی تجربوں نے میرا یہ خیال پختہ کردیا ہے کہ اگر وہ ایک شعر بھی نہ کہتے پھر بھی موجودہ دور کے اردو ادب کی تاریخ میں انھیں ایک نمایاں مقام

حاصل تھا۔

فنونِ لطیفہ سے اُن کے سارے خاندان کو شغف رہا ہے۔ سرشنکر لال کے برادرزادے مرحوم مرلیدھر شادؔ (جن کی
وانامرگ کا زخم دوستوں کے دل پر اب تک ہرا ہے) ایک خوش گو اور صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ شنکر مرحوم کی طرح
وہ بھی جناب داغ کے مشہور و معروف شاگرد اور جانشین سید وحیدالدین بیخودؔ دہلوی کے شاگرد تھے۔ دونوں کو بیخودؔ صاحب
کی شاگردی پر ناز تھا اور سچے عقیدت مند شاگردوں کی طرح اُستاد کی خدمت کرتے تھے۔ اُدھر سے استاد نے بھی
وری توجہ فرمائی اور اس قدر محنت کی کہ حق ادا کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ شعر و شاعری دلّی والوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ پھر اس مرکزِ ادب و زبان کے کسی قدیم اور
شریف خاندان کے افراد کی زبان یا زباندانی کی تعریف کرنا بھی کچھ غیر ضروری سا ہوتا ہے کیونکہ اس سے کوثر
میں دُھلی ہوئی ٹکسالی زبان بولنے اور لکھنے کی توقع ہوتی ہے۔ البتہ یہ کہنے میں باک نہیں کہ سرشنکر لال نے اس توقع
کو مجروح نہیں ہونے دیا بلکہ بوجہِ احسن پورا کیا ہے۔

چند صفحات کو چھوڑ کر یہ مجموعۂ کلام غزلوں پر ہی مشتمل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خاندانِ داغ کے اکثر و بیشتر
شعراء کی توجہ زیادہ تر اسی صنفِ سخن پر مبذول رہی ہے۔ پھر شنکر لال اس کلیہ سے مستثنیٰ کیوں رہتے؟ لیکن یہ بھی
ایک حقیقت ہے کہ غزل اور غزل کی شاعری کو سب سے زیادہ زیب و زینت بھی اسی خاندان کے ہاتھوں نصیب ہوئی
ہے اس خیال کی تصدیق زیرِ نظر مجموعۂ کلام سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں داغ اسکول کا رنگ نہ صرف نمایاں ہے بلکہ
ایک خاص دل کشی اور دل فریب پختگی لئے ہوئے ہے۔

مضامین کی رنگارنگی اور فراوانی نیز رفعتِ خیال کے علاوہ یہ مجموعہ دیگر محاسن شعری سے بھی مالا مال ہے۔
اسلوبِ بیان میں نہ صرف خاندانِ داغ کی روایات کو برقرار رکھا گیا ہے بلکہ اس میں آپ کو بعض ایسی جدّتیں بھی نظر
آئیں گی جو عام طور پر بیخودؔ صاحب اور اُن کے شاگردوں کے کلام ہی میں پائی جاتی ہیں۔ یہ تو ایک مانی ہوئی بات ہے
شاعری اور شعریت اسلوبِ بیان ہی کا نام ہے۔ لیکن اسلوبِ بیان سے عبارت محض الفاظ کا ڈھیر یا غیر مانوس
یاد بندہ "ترکیبوں کا انبار نہیں۔ شاعر کی صنعت گری اُن کے معقول انتخاب، متوازن نشست اور چست بندش

پر موقوف ہوتی ہے۔ زیرِ نظر اوراق میں آپ کو اس صنعت گری کے نمونے جا بجا ملیں گے۔

دیباچہ نگاروں کی عام روش سے انحراف کرتے ہوئے بس چیدہ چیدہ شعر پیش کر کے اُن کے محاسن پر بحث نہیں کروں گا۔ ایک تو اس کی ضرورت نہیں۔ کتاب کا مطالعہ کرنے پر آپ خود ہی محسوس کریں گے کہ ؎

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

دوسری اور بڑی وجہ یہ ہے کہ تصنیف پر نظر پڑتے ہی میری آنکھوں کے سامنے مصنّف کی تصویر آ جاتی ہے اُس مصنف کی جو ادب کا مخلص خادم اور ادیبوں کا محسن کہلانے کا مستحق تھا۔ میں دُعا کرتا ہوں کہ خدائے پاک سر شنکر لال کی روح کو شانتی عطا فرمائے اور ہمارے رئیسوں کو اُس مرحوم کی طرح یہ نکتہ سمجھ لینے کی توفیق دے کہ نہ تو انسانی زندگی صرف پیٹ بھر لینے کا نام ہے۔ اور نہ دولت کا واحد "مصرف" یہ ہے کہ اسے جمع کیا جائے اور —— مزید جمع کیا جائے۔

ابتدائیہ

جناب جگن ناتھ آزاد

بچپن میں دہلی کا ذکر کتابوں میں پڑھا تھا لیکن تقسیمِ ہند کے بعد جب دہلی میں آکر بسنے کا اتفاق ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ دہلی جس کی تصویریں کتابوں میں دیکھی تھی روئے زمین سے قریب قریب ناپید ہو چکی ہے۔ اگرچہ اس قدیم تاریخی شہر کے گلی کوچے آج بھی اپنی اپنی جگہ پر قائم ہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ تہذیب و تمدن کا وہ مرقع جسے کسی زمانے میں دہلی کہا جاتا تھا اور جس کے متعلق علامہ اقبال نے فرمایا تھا ؎

سوادِ رومۃ الکبریٰ میں دلّی یاد آتی ہے
وہی عظمت، وہی شوکت، وہی شانِ دلآویزی

دہلی کسی بارہ لاکھ یا بیس لاکھ کی آبادی کے شہر کا نام نہیں۔ دہلی نام ہے اُن روایات کا جو ہندوستان کے مشترکہ تمدن کے ماحول میں پروان چڑھیں، جنہیں تاجداروں، امیروں، وزیروں، فقیروں، درویشوں، ادیبوں، شاعروں اور فن کاروں نے مل کر آگے بڑھایا اور جنہوں نے دہلی کی خاک کے ذرّوں کو ستاروں کی تابانی بخشی۔ ہمایوں کا مقبرہ، جامع مسجد، درگاہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ، مزار حضرت بختیار کاکیؒ، لال قلعہ، جمنا کی لہریں، جن کی تابناکی سے ہمارے شعر و ادب کی دنیا جگمگا رہی ہے، پھول والوں کی سیر، غالب اور داغ کی شاعری، شہر کے گلی کوچوں کی شستہ ادبی محفلیں، لوگوں کا اخلاق اور عوام کی شعر و سخن اور آرٹ سے محبت، یہ سب اس تمدن کے مختلف پہلو ہیں جنہیں دہلی کہا جاتا ہے۔

وقت کے سیلاب کے سامنے کوئی نقش اپنی جگہ پر قائم نہیں رہتا۔ مختلف انقلابات کے دوران میں دہلی کے ساتھ بھی یہی عمل ہُوا لیکن خاکِ دہلی کا کمال یہ ہے کہ ہر انقلاب میں اور ہر دَور میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جنہوں نے ماضی کے ساتھ اپنا رشتۂ مودّت برقرار رکھتے ہوئے ان روایات کو زندہ رکھا جو دہلی کے لئے ہمیشہ مایۂ افتخار رہیں۔ ۱۹۴۷ء کا انقلاب اگرچہ نوعیت کے اعتبار سے اپنی قسم کا واحد انقلاب تھا۔ لیکن دراصل یہ انہیں انقلابات کے سلسلے کی ایک کڑی تھی جن سے دہلی اور اہلِ دہلی اکثر دوچار ہوتے رہے ہیں۔ اس انقلاب نے بھی افراد اور جماعتوں کو امتحان میں ڈالا۔ چنانچہ ایسے لوگ اس ہنگامے کی اندھیری رات میں ستاروں کی طرح چمکتے نظر آئے جنہوں نے دہلی کی تہذیب و تمدّن، دہلی کی وضع داری اور دہلی کی عظمت کو ایک مقدّس ورثہ سمجھا اور اس مقدّس ورثے کو دستبردِ گردشِ ایّام سے بچانے کے لئے پوری طرح کوشش کی۔

سر شنکر لال کا شمار انہیں چند لوگوں میں تھا جنہوں نے دہلی کے پاکیزہ متمدّن ماحول میں پرورش پائی۔ اور اسی پاکیزہ متمدن ماحول پر ہمیشہ فخر کیا۔ اور اسے اپنا سرمایۂ حیات سمجھا۔

سر شنکر لال کو اُن کی زندگی کے آخری دو برس میں مجھے بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ انھیں میں نے جلوت میں بھی دیکھا اور خلوت میں بھی۔ دفتر میں کام کرتے بھی دیکھا اور محفلِ احباب میں بھی۔ اکثر سارا سارا دن بھی ان کے ساتھ بسر ہُوا اور ان تمام ملاقاتوں کے دوران میں ان کے متعلق میرا ایک ہی خیال پختہ سے پختہ تر ہوتا گیا کہ آپ غیر معمولی صلاحیتوں کا ایک مجموعہ ہیں۔ اور ان صلاحیتوں کو بہ درجۂ اتم دہلی کی زبان، دہلی کے ادب اور دہلی کی تہذیب کی خدمت کے لئے وقف کر رہے ہیں۔ اور آج جبکہ وہ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں، میرا ان کے بارے میں یہ یقین اپنی جگہ پر قائم ہے۔

تقسیمِ ہند کے فوراً بعد ہمارے دیس میں اُردو کو جس نازک دَور میں سے گزرنا پڑا وہ اہلِ نظر حضرات سے مخفی نہیں ہے۔ یہ وہ دَور تھا جب اکثر حق گو زبانیں مصلحت کے پیشِ نظر خاموش ہو گئی تھیں۔ لیکن سر شنکر لال اپنے اس عقیدے سے منحرف نہیں ہوئے کہ اُردو ہمارے وطنِ عزیز کی ایک عظیم الشّان زبان ہے۔ چنانچہ آپ نے کئی ذرائع سے اس زبان کی بقا اور تحفظ کا سامان پیدا کیا۔ دہلی کی اکثر بڑی بڑی علمی اور ادبی محفلیں اور مشاعرے آپ کے

ذوق و شوق اور دستِ کرم کے مرہونِ منّت ہیں۔ آپ نے اُردو کے اس نازک دَور میں اردو کی علمی اور ادبی محفلوں کو کامیاب بنانے کے لئے صرف دامے درمے ہی امداد نہیں کی بلکہ ان میں شرکت کر کے اپنے علمی ذوق کا بھی ثبوت دیا۔ تقسیم کے چند ماہ بعد آپ نے اپنے دولت کدے پر ایک بڑا مشاعرہ منعقد کیا جس میں ہندوستان بھر کے جلیل القدر شعراء نے شرکت کی اور ملک کے دردمند طبقے پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ اتنے بڑے تاریخی انقلاب کے بعد بھی ہماری ادبی روایات بدستور قائم ہیں اور انہیں زندہ رکھنے کے لئے ایک مردِ عمل میدان میں موجود ہے۔

لائل پور کاٹن ملز (پاکستان) کے مشاعروں میں میں نے آپ کو تقسیم سے پہلے بھی دیکھا اور تقسیم کے بعد بھی۔ اور تقسیم کے بعد جس چیز نے مجھے اور غالباً شریکِ مشاعرہ ہونے والے تمام شعراء کو متاثر کیا۔ وہ یہ تھی کہ کارخانے میں کام کرنے والے لوگوں میں سر شنکر لال کے لئے محبّت اور احترام کا جو جذبہ تقسیم سے پہلے تھا وہی تقسیم کے بعد بھی موجود رہا اور یہ مقبولیت کا وہ مقام ہے جو کسی کسی کو نصیب ہو سکتا ہے۔ اور اسی سعادت کو دیکھ کر ع
"تا نہ بخشد خدائے بخشندہ" پر ایمان لانا پڑتا ہے۔

ان چند سطور میں، جو برادرم ساحرؔ ہوشیارپوری کے ارشاد کی تعمیل میں سپردِ قلم کی جا رہی ہیں، اتنی گنجائش نہیں کہ سر شنکر لال کی شاعری پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائے۔ آپ نے وحید العصر حضرت بیخودؔ دہلوی جانشین حضرت داغؔ کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ اور ظاہر ہے کہ باکمال استاد نے شاگرد کے جوہرِ قابل کو کس نفاست سے چمکایا ہوگا اور فیضِ نظر کی بدولت سر شنکر لال کی طبع گہر بار کہاں سے کہاں پہنچی ہوگی۔ ساحرؔ صاحب ہندوستان بھر کے شاعروں اور ادیبوں کے شکریے کے مستحق ہیں کہ وہ مرحوم کے کلام کو یکجا کر کے کتابی صورت میں طبع کرا رہے ہیں اور اس طرح مرحوم کی ایک ایسی یادگار قائم کر رہے ہیں جو کارخانوں، ملوں اور کوٹھیوں سے کہیں زیادہ مستقل اور پائدار حیثیت رکھتی ہے۔

مُقدّمہ

حضرتِ مانی جائسی

شاعر کے متعلق ایک مشہور مقولہ انگریزی کا ہے جس کا واضح مفہوم ہماری زبان میں یوں ادا ہو سکتا ہے۔ کہ شاعری کی صلاحیت جہاں ہوتی ہے، فطری ہوتی ہے اور یہی مطلب "الشعراء تلامیذ الرحمان" (شاعر خدا کے شاگرد ہوتے ہیں) سے نکلتا ہے۔ واقعی موزونیِ طبع شعر گوئی کے لئے شرطِ اولین ہے اور اس شرط کو صرف فطرت ہی پورا کرتی ہے۔ این سعادت بزورِ بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ — اکتسابی علم و فن تو طبعِ غیر موزوں کو بسا اوقات اتنی بھی مدد نہیں دیتے کہ شعر کو اس کی اصلی موزونی کے ساتھ پڑھ لیا جائے۔

شعر خود کیا ہے، یہ ہنوز ایک لاینحل مسئلہ ہے۔ بہتیری تعریفیں کی گئی ہیں لیکن کوئی اس کی حقیقت کو صاف نمایاں اور دل نشیں نہیں کرتی۔ اپنے مذاق اور فکر کے مطابق ہر تعریف کرنے والے نے کوشش ضرور کی ہے اور اپنے لفظوں میں، اپنے انداز میں کچھ نہ کچھ کہا ہے، لیکن کوئی قول حرفِ آخر نہیں کہا جا سکتا۔

شعر کی صحیح تعریف شاید اس لئے دشوار ہے کہ اس کا تعلق صرف وجدان سے ہے، اور وجدان خود کیا ہے، اس نکتے کی شرح اور اس مسئلے کا حل بھی وجدان ہی کے سپرد کر دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

بہرحال شعر جس طرح اپنی صوری حیثیت میں سامنے آتا ہے اس کے پیشِ نظر وہ صرف کلام موزوں کہا جا سکتا ہے — کلام موزوں مہمل بھی ہو سکتا ہے با معنی بھی، مبتذل بھی ہو سکتا ہے بلند بھی، دل پذیر بھی ہو سکتا ہے بارِ خاطر بھی، افسردگیٔ دل بھی بخش سکتا ہے اور بالیدگیٔ روح بھی۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ طبائع انسانی مختلف ہیں اور ہو سکتا ہے کہ جو شعر کسی کو اچھا معلوم ہو وہ دوسرے کے نزدیک قابلِ پسند نہ ہو تو اب آخر ذوقِ سلیم پر بات ٹھہرتی ہے جس کی تعریف

اُسی طرح محال ہے جس طرح وجدان کی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تعارف بھی نہیں ہو سکتا، تعارف ضرور ہوتا ہے لیکن یہ بات بیان میں نہیں آسکتی کہ کس طرح ۔ اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ اس جوہر کی تابانی خود اہلِ ذوق اور اربابِ نظر کو متوجہ کر لیتی ہے جو اسے سنگ ریزوں سے ممتاز دیکھ کر چُن لیتے اور سلیم المذاق کا لقب عطا کر دیتے ہیں۔ پس اسی طرح لوگ سلیم المذاق برادری میں داخل ہوتے رہتے ہیں۔

سلیم المسذاق افرادِ شعر کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد اُسے پرکھنے اور اظہارِ پسندیدگی یا ناپسندیدگی میں ہم خیال اور ہم آہنگ ہی ہوتے ہیں۔ اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ شعر فہمی کے سلسلے میں یہ ایک دوسرے سے اختلاف کریں — یہ دوسری بات ہے کہ کوئی واضح یا تحت الشعوری جذبہ کسی کو صحیح اظہارِ خیال سے باز رکھے، لیکن شاعر اگر واقعی شاعر ہے تو اس جذبے کی تبعیت اور اسے بروئے کار لانا صرف خلافِ انسانیت ہی نہیں بلکہ بدنفسی سمجھتا ہے۔

میرے نزدیک شاعری اور انسانیت — صحیح معنوں میں انسانیت — خطوطِ متوازی ہیں جو برابر کے دو نقطوں سے شروع اور برابر ہی کے دو نقطوں پر ختم ہوتے ہیں۔ حدودِ کمال تک تو ان خطوط کا پہنچنا مشکل ہے لیکن نقطۂ کمال سے جتنا قرب کسی کے خطِ انسانیت کی حدِ آخر کو ہوتا ہے، اتنا ہی قرب شاعری کو اپنے نقطۂ کمال سے ہوتا ہے — دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ شاعر کی انسانیت جتنی ناقص ہے اُتنی ہی ناقص اُس کی شاعری بھی ہوگی۔

اس نظریئے کو شاعری کی کسوٹی سمجھیے — اور سر شنکر لال کے کلام کے سونے یا سونے کے کلام کو میں نے اسی کسوٹی پر کسا ہے۔ متوازی خطوط نہ صرف موجود بلکہ کافی طولانی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ جو انتخاب میں آپ کے سامنے پیش کروں گا، اس سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو سکے گی۔

اس سے پہلے مناسب ہوگا کہ اس شاعر کے ماحول سے ناظرین کو اجمالاً متعارف کر دیا جائے جو اپنی فکرِ شعری کے اعتبار سے فطرتاً شاعر اور شاعر کی اُن صفات سے متصف نظر آتا ہے جن کا ذکر اس مقدمے کی ابتدائی اور درمیانی سطور میں آچکا ہے۔

سوءِ اتفاق یہ ہے کہ مجھے ان سے صرف ایک مرتبہ ملنے کا موقع ملا، یہ ذکر ہے فروری ۱۹۵۰ء کا جب میں جشنِ جمہوریت کے مشاعرے میں شرکت کے لئے لکھنؤ سے آیا تھا، اُنھوں نے میرے تخلص کو صورت سے ملا کر مجھے دیکھا، اور میں نے سر شنکر لال مینجنگ ڈائرکٹر دہلی کلاتھ اینڈ جنرل ملز کمپنی لمیٹڈ، ہندوستان کے بڑے صاحبِ ثروت کے درشن کیے۔ میں ان کے حسنِ اخلاق، خوش مذاقی، تہذیب اور بذلہ سنجی سے بہت ہی متاثر ہوا۔ اس کے بعد بھی جب اور جہاں اتفاق ہوا۔ ان کی خدا ترسی، اولوالعزمی، نفس کی شرافت اور دردِ انسانیت ہی کے تذکرے سننے میں آئے۔ یہ تو معلوم ہی تھا کہ ذوقِ سخن شعر گوئی کی حد تک پہنچا ہوا ہے اور واقعی شعر فرماتے بھی خوب تھے، بہت خوب۔ جو شعر سننے میں آیا، دل میں اُترے بغیر نہ رہا۔

اب کہ چند ماہ سے میرا قیام دہلی میں ہے، یہ معلوم ہوا کہ سر شنکر لال کے دیوان کا انتظامِ اشاعت ہو رہا ہے، خیر شائع ہوگا، دیکھیں گے، لطف اندوز ہوں گے۔ لیکن قبلِ اشاعت ہی مجھے اپنے محترم کرم جناب شیو راج بہادر کی عنایت سے اس دیوان کے مطالعے کا موقع مل گیا۔ وہ یوں کہ مقدمہ لکھنے کی خدمت میرے سپرد ہوئی۔ کتاب کے پروف تقریباً مکمل مجھے ملے اور میں نے تقریباً سب کلام دیکھا۔

سر شنکر لال کی امیرانہ اور دولت مندانہ شخصیت کو اُن کی سخن سنجی سے ملا کر جس نتیجے پر میں پہنچا، وہ یہ ہے کہ جن خوبیوں کا وجود اُن کی ذات میں خود مجھے نظر آیا تھا، نیز جو اوصاف اُن کے قریب سے جاننے والوں کی زبانی سنے گئے تھے، وہ بالکل صحیح ہیں بلکہ ان کے علاوہ بعض وہ اوصافِ پنہاں بھی اس پیکرِ انسانیت میں موجود تھے، جن کا آج کل فقدان ہے اور جن کو اس دورِ دہریت و الحاد میں اپنے سے منسوب کرنا عموماً اہلِ دولت بلکہ بعض متوسط الحال حضرات بھی ننگ و عیب سمجھتے ہیں۔

اُن کا کلام جو اُن کے جذبات کی ترجمانی کرتا اور اپنے حقیقی مفہوم تک پہنچا کر دلوں پر اثر ڈالتا ہے، اس حقیقت کو بھی واضح کر دیتا ہے کہ وہ خادمِ خلق اور حساس ہونے کے علاوہ رموزِ زندگی سے آگاہ اور عبد و معبود کے رشتے اور اس رشتے کی افادیت سے پورے طور پر باخبر تھے۔ ساتھ ہی یہ کہ عظیم ثروتِ دنیوی نے انھیں قوتِ عمل سے بے بہرہ یا محروم نہیں رکھا بلکہ یہ قوت اُن میں اس حد تک تھی کہ اعتبار سے

جا بجا ورس کی صورت میں نمایاں ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

مختصر یہ کہ ان کی خصوصیاتِ کردار پر نظر کر کے بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ وہ مرد کی اس تعریف کے مصداق تھے جو ذیل کے شعر میں بیان ہوئی ہے۔

بادہ نوشیدن و ہشیار نشستن سہل است　　　تا بدولت برسی مست نہ گردی مردی

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک سرشتہ کرلال کی ذات و صفات کا تعلق ہے، اس صاحبِ جاہ کی علم دوستی اور ادب نوازی نے غالب مغفور کے اس شعر کی معنویت سے بے نیازی حاصل کر لی۔

جاہ ز علم بے خبر، علم ز جاہ بے نیاز　　　ہم محکِ تو زر ندید، ہم زر ما محک نہ خواست

اب ان کے گوناگوں اوصاف کا اندازہ اُن کے اشعار سے فرمایئے جو مختلف عنوانوں کے تحت درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ میں عنوان قائم کرنے میں زیادہ باریکی سے کام نہ لوں گا کہ اس میں طوالت ہوگی، البتہ جس عنوان کے تحت جو شعر درج کیا جائے گا وہ اس سے کسی نہ کسی طرح متعلق ہوگا۔ اہلِ فہم مزید تفصیلات کے محتاج نہیں طبعِ سلیم خود تجزیہ کرے گی۔

سب سے پہلے الہٰیات یعنی وجودِ باری تعالےٰ کے عقیدے سے جو اشعار متعلق ہیں یا جن میں اس کی صفات کی طرف اشارہ ہے یا جن سے اپنی عبودیت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے انھیں پیش کرتا ہوں۔

الہٰیات

یہ چرچا تھا قدسیوں میں ملائک میں کھلبلی　　　اللہ مشتِ خاک کو انساں بنا دیا

انسان کی خلقت اور ملائک کی طرف کس قدر لطیف اشارہ ہے اور پھر جذبۂ شکر و امتنان کا اظہار جُدا!

تیری رحمت کے بھروسے پہ گنہ گار ترا　　　عرصۂ حشر میں بھی بے سر و ساماں آیا

بنائیں سجدے سے بگڑے ہوئے مقدر کو — مگر نوشتۂ قسمت سے بس نہیں چلتا

انتہائے وسعتِ رحمت نہ پھر آئی نظر — دیکھا شنکر نے جو اپنے تنگ دامن کی طرف

تنگ دامنی سے وسعتِ رحمت کا اندازہ، کیا خوب فلسفیانہ نکتہ ہے

ازل سے بندہ یارب مبتلائے آزمائش ہے — لیا جائے گا مشتِ خاک کا اور امتحاں کب تک

کسی نظر میں تمھیں دیکھنے کی تاب نہیں — نقابِ رخ بھی اُلٹ دو تو بے نقاب نہیں

کیا حسین اندازِ بیان ہے۔

لگی ہوئی ہیں تمھاری طرف مری آنکھیں — مری نظر میں زمانے کا انقلاب نہیں

رہے نہ ہوش میں کیوں دیکھ کر جنابِ کلیم — سنا ہے میں نے تجلی صفت ہے ذات نہیں

ذات و صفت کے نازک فرق کو حضرتِ موسیٰ اور تجلی کی تلمیح سے کیا خوب بیان کر دیا ہے۔

جو عمرِ خضر بھی پا کے جئے تو خاک جئے — تری تلاش اگر مقصدِ حیات نہیں

ترے کرم کے بھروسے پہ مطمئن ہوں میں — یہ جانتا ہوں کہ مجھ سا گناہگار نہیں

تری طرف سے کرم میں کوئی کمی نہ ہوئی — مگر ہمیں سے ادا شرطِ بندگی نہ ہوئی

تصوّف

عشق کو کامیاب ہونا تھا　　آپ کو بے نقاب ہونا تھا

ذو معنین ہے "ہونا تھا" کے ایک معنی "ہونا چاہیئے تھا۔" دوسرے معنی "شدنی تھا۔"

یہ دھوکا ہے نظر کا یا حقیقت، پوچھیئے کس سے　　ہمیں ہر گام پر نقشہ نظر آتا ہے منزل کا

کعبے سے غرض ہے نہ کلیسا سے ہے مطلب　　ہر سمت ہمیں تو درِ جاناں نظر آیا

نہ صرف جلوۂ الٰہی کی ہمہ گیری بیان کی ہے بلکہ کعبۂ و کلیسا سے بے نیازی کا مظاہرہ کر کے آفاقی انسانیت کی طرف پنہاں ہدایت موجود ہے۔

مرا پیمانۂ ہستی نہ پوچھو　　کبھی قطرہ، کبھی دریا رہا ہوں

(حیات بعد الموت اور تناسخ)

ہم کو اُنہی سے مل کر اُن کا پتہ ملے گا　　سائے کو ڈھونڈھنا ہے شعلے کی روشنی میں

یہ سب نغمے ہیں اُس کے میں نہیں ہوں　　وہی سازِ نفس پر گا رہا ہے

ہر جگہ جلوۂ مستور نظر آتا ہے　　خاک کا ذرّہ مجھے طور نظر آتا ہے

انسانیت سے متعلق

ظلم انساں پر کئے انساں نے کب — اُٹھ گئی دُنیا سے اب انسانیت

آپ کے ہوتے ہوئے دیر و حرم سے کام کیا — ہر جگہ سے بے نیاز انہ گزرجاتا ہوں میں

یہ شعر الٰہیات یا تصوف کے تحت بھی آسکتا ہے، اس میں آفاقی انسانیت کی طرف اشارہ ہونے کے علاوہ ذہن کے لئے یہ ہدایت بھی موجود ہے کہ خدا پر بھروسا ما سوا سے کس قدر بے نیاز کر دیتا ہے۔

ہُوا اس وقت خدا کی بھی خدائی کا ظہور — باغِ فردوس سے دنیا میں جب انساں آیا

آدمی تو کہہ نہیں سکتے اسے پھر کیا کہیں — جس کے پہلو میں دلِ دردآشنا ہوتا نہیں

ظلم کی ظالم کو جب تک مل نہیں جاتی سزا — یہ سمجھتا ہے غریبوں کا خدا ہوتا نہیں

جہاں انسان کا انسانیت کا خون ہوتا ہے — بتائیں آپ اے شنکر وہ دوزخ ہے کہ جنّت ہے

درسِ عمل و مکارمِ اخلاق

اپنے افعال پر نگاہ رہے — خود کو اپنے سے شرمسار نہ کر

لاکھ بھر آئے غم سے دل تیرا — اپنی آنکھوں کو اشکبار نہ کر

پس ماندگان کے واسطے جو ہو چراغِ راہ
منزل پہ کوئی ایسا تو شنکرؔ نشان چھوڑ

میں اپنے دوست سے کیا مجتنب ہوں اے شنکرؔ
مجھے تو اپنے عدو سے بھی اجتناب نہیں

اپنے انجامِ کار رہ رہ کے خیال آتا ہے
فکرِ فردا تو مجھے ہے جو غمِ دوش نہیں

امتحاں ظرف کا ہوتا ہے یہیں تو شنکرؔ
جو کوئی پی کے بہک جائے وہ مے نوش نہیں

بے طلب وہ مجھے جو دیں گے وہ مل جائے گا
بے اثر میری دُعا ہو مجھے منظور نہیں

میں اُن کے ستم سب بھول گیا مجھ کو تو کرم یاد آتے ہیں
وہ سر بھی اٹھا سکتا ہے کبھی جو بندۂ احساں ہوتا ہے

ناز ہو جاتا ہے آخر کو نیاز
جو ہے خادم وہی مخدوم ہے

کس لئے میں اپنی کشتی ناخدا پہ چھوڑ دوں
گوہرِ مقصود حاصل کرنا میرا کام ہے

ایسے جینے کو بھلا کون کہے گا جینا
کام دنیا میں کوئی نیک جو شنکرؔ نہ ہُوا

کل تو حق گوئی کی خاطر دار کی میں نے قبول
آج پہ سچ کہتے ہوئے ڈرتا ہوں، گھبراتا ہوں میں

عیب اوروں کے ڈھونڈتے ہیں ہم
اپنے افعال پر نظر نہ ہوئی

میکدہ، دیر و حرم، باغ و بہاراں چھوٹے　　ترک ہم سے مگر اک راہِ محبت نہ ہوئی

زندگی، زمانہ اور ابنائے زمانہ کے متعلق

چار دن دیکھی نہ گلشن کی بہار　　لے لیا کھِل کر گلِ خنداں نے کیا

جب کبھی آنکھ لگی خواب پریشاں دیکھا　　خواب میں بھی ہمیں آرام میسر نہ ہوا

شکر جو فرشتہ صفت انساں نظر آیا　　دنیا میں ہمیں وہ بھی نہ شاداں نظر آیا

باغباں توڑ لئے پھول نہ گلشن کے ترے　　ہم نے پھولوں کو اگر ایک نظر دیکھ لیا

بے کار ہے شکوہ اپنوں کا بے سود شکایت غیروں کی　　جب وقت بُرا آ جاتا ہے سایہ بھی گریزاں ہوتا ہے

کبھی چمن میں جو تھے ہم کلامِ غنچہ و گل　　قفس میں سنتے ہیں اب وہ سلامِ غنچہ و گل
فریب خوردۂ رنگِ بہار جائے کہاں　　بچھا ہوا ہے ہر اک سمت دامِ غنچہ و گل

کہاں تک طول کھینچے گی تمنا　　حیاتِ مختصر ہے اور میں ہوں

یاد کچھ بھولے ہوئے خوابِ پریشاں کریں　　آج جاتی ہوئی شب کو بھی مہماں کریں

میں سمجھتا ہوں بہارِ زندگی کو بے خزاں
اتنا خوش فہمی میں کوئی مبتلا ہوتا نہیں

مختلف موضوعوں پر

آپ کیوں بیٹھے ہوئے ہیں دم بخود
کہہ دیا آئینۂ حیراں نے کیا

دریائے حسن آئینے میں موج زن تو تھا
آرائشوں سے آپ نے طوفان بنا دیا

غصے میں مان لیتا تھا اکثر ہماری بات
چھیڑا ہزار اس کو وہ برہم نہ ہو سکا

ایسا نہ کوئی تم کو وفادار ملے گا
دل دے کے جو شرمندۂ احسان نظر آیا

سچ تھا جب ہوا اس آئینہ رو کا دیدار
کچھ نظر بھی تجھے اے دیدۂ حیراں آیا

اور جڑ جائیں گے تنکے تو نشیمن کے لئے
غم ہے اس بات کا بجلی نے یہ گھر دیکھ لیا

ہمیشہ روئے گی جس کو بہارِ گلشنِ ہند
وہ ہائے اٹھ گیا دنیا سے پاسبانِ بہار

مہاتما گاندھی کی طرف اشارہ ہے۔ الکنایۃ ابلغ من التصریح (کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے)
...ایسی ہی مثالیں ہو سکتی ہیں۔

نزولِ رحمتِ باری ہے ہر طرف شنکر — کریں شراب سے ماہِ صیام کی خاطر

جاتے ہیں لئے ہم خلشِ خارِ تمنّا — آئے تھے ترے کوچے کو گلزار سمجھ کر

دل پہ لگتی ہے چوٹ سی شنکر — ذکرِ افسانۂ بہار نہ کر

دعائے نیم شب ہو یا دہ ہو آہِ سحر گاہی — اثر ہی جب نہ ہو اس گریہ و زاری سے کیا حاصل

ناکامیٔ تدبیر تو ممکن ہے وگرنہ — محرومیٔ تقدیر کے قائل تو نہیں ہم

جب دردِ طلب بڑھتے بڑھتے خود اپنی دوا ہو جاتا ہے — آہوں کے بھی پر لگ جاتے ہیں نالہ بھی رسا ہو جاتا ہے

یہ شعر وہی حق پرست کہہ سکتا ہے جو اس رمز سے واقف ہو چکا ہو کہ جب تمام دنیوی آسرے منقطع ہو جاتے ہیں، رشتۂ امید ٹوٹ کر صرف خدا سے وابستہ ہو جاتا ہے اور اسی سے لو لگ جاتی ہے تو خود مقصد، مایوس کا دامن پکڑنے دوڑتا ہے۔

آئی تھی جوانی ہم پر بھی، ہم نے بھی بہاریں دیکھی ہیں — اس دَور سے ہم بھی گزرے ہیں اک خوابِ پریشاں ہوتا ہے

سن کر زبانِ اشک سے وہ مسکرا دیئے — شاید یہ داستان ابھی ناتمام ہے

نکھرا ہوا چمن ہے گلوں پر بہار ہے — اچّھا ہوا حضور ذرا مسکرا دیئے

یہ تھا مختصری انتخاب جو مہر شنکر لال آشفتہ دہلوی کی غزلیات سے کیا گیا۔ چند نظمیں بھی ان کے دیوانِ زیرِ طبع میں ہیں اور خوب ہیں۔ اپنے موضوع کی آئینہ دار ہیں مسلسل ہیں اور شاعر کی قدرتِ کلام کا پتہ دیتی ہیں۔

افسوس ہے اور کمال افسوس کہ مہر شنکر لال نے جلد زندگانی دنیا کو خیر باد اور داعیِ اجل کو لبیک کہا ورنہ اُن کے رشحاتِ فکر سے زمینِ شعر کو اس سے زیادہ سیرابی میسر آتی۔

یوں تو بقول حضرت عزیز لکھنوی مرحوم:

روزِ ازل ملا ہے ہر اک دل کو بیش و کم
وہ داغِ عشق نقشِ سویدا کہیں جسے

لیکن مہر شنکر لال کے دل کو جو داغِ عشق یعنی چراغِ انسانیت ملا تھا وہ بیش ہی ہے کم نہیں۔ ان کے داغِ عشق کی تابانی عالمِ انسانیت کو منور کرتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ تنویر دائمی ہوگی۔

حرفے چند

تقسیمِ ملک کے بعد میں دہلی آیا۔ تو سر شنکر لال شنکرؔ سے ملنے کی پرانی خواہش دل میں کروٹیں لینے لگی۔ پہلی ملاقات اُس تاریخی مشاعرے میں ہوئی جو فسادات کے فوراً بعد ہی اُن کی کوٹھی پر اُنہیں کے زیرِ اہتمام منعقد ہوا تھا۔ میں نے انہیں بہت کم گو اور کم آمیز پایا۔ اور میں یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہو گیا کہ اس دولت مند شخص کے دماغ پر شاعری کے لُٹے ہوئے دل نے ابھی فتح نہیں پائی ہے۔ اس کے بعد مسلسل ملاقاتیں ہوتی رہیں لیکن نقشِ اوّل کے نفسیاتی ردِّ عمل نے مجھے اُن سے زیادہ قریب نہ ہونے دیا۔ پھر "جشنِ جمہوریت" منانے کے لئے انتظامیہ کمیٹی کی تشکیل ہوئی تو وہ صدر منتخب ہوئے اور سیکرٹری کے فرائض ادا کرنے کے لئے مجھے چُنا گیا۔ اب جو اُن کے ساتھ کام کرنے اور زیادہ قریب ہونے کا موقع ملا۔ تو مجھے اُن کے متعلق پہلا غلط نظریہ قائم کر لینے پر بہت ندامت محسوس ہوئی۔ وہ بہت خوبیوں کے مالک نظر آئے۔ آغاز میں کم گوئی اور کم آمیزی سے احتیاطاً کام لیتے تھے۔ لیکن جسے ہم ذوق و ہم مشرب سمجھ لیتے تھے اُس سے خوب کھُل کھیلتے تھے۔ سراپا انکسار، سرتاپا اخلاص اور پیکرِ شرافت تھے۔ اور بے تکلّفی کی حدود میں داخل ہوتے ہی ایک نفیس ترین دوست بن جاتے تھے۔ وہ صہبائے شعر و سخن کے پرستار تھے اور دنیوی جاہ و حشم کا فسرِ عی سرور اُن کے حقیقی نشۂ شاعری پر کبھی حادی نہ ہو سکا۔ وہ ہمیشہ 'شنکر' کو 'سر' پر ترجیح دیتے تھے۔ وہ گھر لٹا دینے کی حد تک فیّاض بھی تھے۔ اور ادب کی خدمت کے لئے غیر معمولی انتہا تک دریا دل بھی۔ لیکن اس جذبے کو نام و نمود کی خواہش سے دُور کا واسطہ بھی نہ تھا، یہاں تک کہ دائیں ہاتھ کی عطا سے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہوتی تھی۔ آخری بار اُن سے کلکتے میں ملاقات ہوئی انھوں نے مجھے اطلاع دی کہ وہ کاروباری سلسلے میں کلکتے تشریف لا رہے ہیں۔ اور تین چار روز قیام کریں گے۔ اس قیام کے دوران میں شعر و سخن کی وہ محفلیں جمیں کہ روح و دل ابھی تک اُن کے کیف سے سرشار ہیں۔ کیسے معلوم تھا کہ

یہ سرور بخش صحبتیں اس قدر گریز پا ثابت ہوں گی اور کام و دہن کو تلخیٔ جاوداں کا احساس بھی دے جائیں گی۔

اُن کی زندگی میں بارہا مجموعۂ کلام شائع کرنے کی بات چلی۔ لیکن وہ ہمیشہ ٹال دیتے۔ وہ ایک لااُبالی قسم کے شاعر تھے۔ یہاں تک کہ اُن کا کلام عمر بھر بیاض کی صورت کو ترستا رہا۔ جب دیکھو دس بارہ پُرزے اِدھر اُدھر کسی جیب یا بٹوے میں پڑے ہیں۔ مشاعرے میں غزل پڑھی۔ پھر معلوم نہیں وہ پُرزہ کہاں گیا۔ دوسرے مشاعرے میں کسی سخن فہم نے اپنی پسندیدہ غزل کی فرمائش کی۔ تو آپ نے حافظے کو کُریدکر دو چار شعر سُنا دئیے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا مزاج رکھنے والے شاعر کا بہت سا کلام تلف ہو گیا ہو گا۔ اُن کی موت کے بعد جہاں تہاں سے یہ پُرزے اکٹھے کئے گئے اور محترم پنڈت ہری چند اختؔر نے انھیں مرتّب کرنے کا ذمّہ اپنے سر لیا۔ اُنھوں نے سال بھر کی محنتِ شاقہ کے بعد کلام کو ترتیب دے کر اس کا نام "دیر و حرم" تجویز فرمایا۔ تکمیل و طباعت کا کام میرے سپرد کیا گیا۔ اس کام کو جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں نے محنت اور جانفشانی سے سرانجام دیا۔

مرحوم کے کلام میں دلّی کی زبان اور تاثّرات دونوں ملتے ہیں۔ پڑھنے والے اسے شوق سے پڑھیں گے اور اس کی داد حسبِ توفیق دیں گے۔ لیکن مرحوم کے مجھ ایسے دوست اور فدائی ان کے کلام کی خامیوں یا خوبیوں سے قطع نظر انھیں ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

مصنّف کا یہ مختصر سا تعارف ہے جس میں ذاتی تاثّرات شامل ہیں۔ تصنیف اپنا تعارف خود کرا لے گی۔

دہلی۔ ۲۱۔ اپریل ۵۴ء

ساحؔر ہوشیارپوری

غزلیات



SIR SHANKAR LAL 'SHANKAR'

گلشن میں جنوں کا مجھے ساماں نظر آیا
جو پھول کھلا چاک گریباں نظر آیا

ہر شے میں ترا حسن درخشاں نظر آیا
جس چیز کو دیکھا مہِ تاباں نظر آیا

جس نے اُسے دیکھا وہ گرفتارِ بلا تھا
تصویر کا آئینہ بھی حیراں نظر آیا

یا رب کوئی حد بھی ہے پریشاں نظری کی
فرقت میں چمن مجھ کو بیاباں نظر آیا

گلشن میں کھلے گل تو ہوا چل گئی ایسی
ثابت نہ کسی کا بھی گریباں نظر آیا

آئینے میں کیا دیکھ لیا کون بتائے
زُلفوں کی طرح خود وہ پریشاں نظر آیا

پھر طُور پہ جانے کی ضرورت ہمیں کیا تھی
جب آنکھ اُٹھی جلوۂ جاناں نظر آیا

تاثیر نئی فصلِ بہاراں میں یہ دیکھی
دامن کی جگہ ہم کو گریباں نظر آیا

اے عشق بہت تُو نے تو دیکھا ہے زمانہ
مجھ سا بھی کوئی بے سروساماں نظر آیا

ہے حُسن کی سرکار میں توصیف وفا کی
وہ کہتے ہیں شنکر ہمیں انساں نظر آیا

میسّر عشق میں صبر و قرارِ دل نہیں ہوتا
جہاں طوفان ہوتا ہے وہاں ساحل نہیں ہوتا

اگر کوشش نہ کی جائے تو کچھ حاصل نہیں ہوتا
کہ بے سعئ عمل تعمیر مستقبل نہیں ہوتا

نہیں ہوتا جسے احساس اوروں کی مصیبت کا
وہ اک پتھر تو ہو سکتا ہے لیکن دِل نہیں ہوتا

حدیں میرے جنونِ شوق کی ہیں کس قدر آگے
سرِ منزل پہنچ کر بھی سرِ منزل نہیں ہوتا

تمہاری جلوہ آرائی سے رنگینی ہے دُنیا میں
نہ ہوتے تم تو یہ ہنگامۂ محفل نہیں ہوتا

ارادہ ہو تو کوئی بات ناممکن نہیں رہتی
بھروسا ہو تو کوئی کام بھی مشکل نہیں ہوتا

نظر اُس کی مآلِ زندگی جس کو نظر آئے
سمجھ اُس کی ہے جو انجام سے غافل نہیں ہوتا

صداقت کا زمانے میں ہمیشہ بول بالا ہے
جو حق پر ہوں انہیں اندیشۂ باطل نہیں ہوتا

نہ کھل جائے کہیں رازِ محبت دیکھ اے شنکر
ہجومِ یاس میں کچھ اعتبارِ دل نہیں ہوتا

دِل اگر داغ دار ہو جاتا
اِک سراپا بہار ہو جاتا

دامنِ صبر ہجر کے ہاتھوں
کیوں نہ یوں تار تار ہو جاتا

وائے مجبوریاں محبّت کی
ضبط پر اختیار ہو جاتا

میں نے یوں شکوۂ جفا نہ کیا
وہ اگر شرمسار ہو جاتا

پاس ہوتا اگر وہ جانِ بہار
بے نیازِ بہار ہو جاتا

اک نگاہِ کرم جو ہو جاتی
پھر تو بیڑا ہی پار ہو جاتا

اُن کی ترچھی نظر کا کیا کہنا
جس پہ پڑتی شکار ہو جاتا

اُن نگاہوں کی مستیاں توبہ!
میکدہ شرمسار ہو جاتا

پیار کرتے ہیں وہ جنہیں شنکر
کاش اُن میں شمار ہو جاتا

اُن نیچی نگاہوں کا جب تیر اِدھر آیا
کِس ناز سے تھم تھم کر وہ تا بہ جگر آیا

اشک آنکھوں میں بھر آئے دِل بھی مرا بھر آیا
جب غُنچۂ پژمُردہ گلشن میں نظر آیا

اُس کوُچے کا کیا کہنا زاہد جو اُدھر آیا!
جنّت کا سماں دیکھا فردوس نظر آیا

دُنیا کے یہ گُل بوٹے رکھتے ہیں کشش ایسی
جنّت سے یہاں کھنچ کر آخر کو بشر آیا

اُس شوخ کے کوچے کی اللہ رے دِل آویزی
اِک بار جو آنکلا سَو بار اُدھر آیا

گزری ہے شبِ وعدہ پہلو ہی بدلنے میں
یہ بھی نہ کھُلا مجھ پر آرام کِدھر آیا

آنے کو بہار آئی اے رشکِ چمن لیکن
گُلشن تری فرقت میں ویران نظر آیا

میں ہچکیاں لے لے کر رویا تھا شبِ فرقت
نالوں میں دُعاؤں میں تھم تھم کے اثر آیا

بالوں کی سفیدی نے پیری میں کہا مُنہ پر
اُٹھ خواب سے او غافل ہنگامِ سحر آیا

غنچے کو ذرا دیکھو طالب یہ تمھارا ہے
کم بخت کی مُٹھّی میں جب وقت سے زر آیا

مُرغانِ چمن، اپنی آہوں سے جلا دینا
گلشن میں قفس لے کر صیّاد اگر آیا

مرتے ہوئے ہم نے تو دیکھا نہ کسی کو بھی
گو جینے سے ہر انساں بیزار نظر آیا

غنچہ جو کوئی چٹکا یہ کہہ کے اُڑی بُلبُل
شہرت کا تمنائی وہ طالبِ زر آیا

رکھا ہی رہا دعویٰ وہ زُہد کا تقویٰ کا
شنکر بھی ہمیں جیسا مے خوار نظر آیا

جب فصلِ گُل تھی باغ میں ابرِ بہار تھا
پھانسی گلے کی میرے گریباں کا تار تھا

جس بے وفا کے ہجر میں مَیں بے قرار ہُوں
دِل کو اُڑا کے لے گیا مطلب کا یار تھا

میدانِ حشر تھا کہ تری بزمِ ناز تھی
ہر کوئی میرے دِل کی طرح بیقرار تھا

رخصت جو صبحِ عیش ہوئی، آئی شامِ غم
غمخوار تھا کوئی نہ کوئی غمگسار تھا

چل دی قفس میں او رہرا کر کے زخمِ دِل
مُدت سے فصلِ گُل کا ہمیں انتظار تھا

کہنے میں کیوں مرے نہ رہا بے قرار دل
میرا قصور کیا مرے پروردگار تھا

صحرا سے میری وحشتِ دل کھینچ لائی تھی
پھولوں کی آرزو تھی نہ شوقِ بہار تھا

دل بھی مرا مٹا کے وہ مجھ سے نہ خوش رہے
مَیں دِل بھی نذر کر کے اُنہیں شرمسار تھا

شنکر کہ جس کو مار دیا تم نے کوس کر
لاکھوں میں ایک مردِ خُدا جاں نثار تھا

بیٹھ کر پاس نہ ارمان بھرا دِل دیکھا
اِک نظر دُور سے ہی اُس نے مشکل دیکھا

آئینہ دیکھ کے خود ہو گیا بسمل، دیکھا؟
ہم نے تو عکس کو قاتل کے بھی قاتل دیکھا

ہجر میں جینا تو بے شک ہے نہایت دُشوار
عِشق میں اور کوئی کام نہ مُشکل دیکھا

جان مانگی تھی، کہا ہم نے کہ تم پر ہے نثار
اس پہ کہتے ہو کہ بس جا بھی ترا دِل دیکھا

میں سمجھتا ہُوں اُسے اپنی محبت کی کشش
تُو نے مُنہ پھیر کے بھی مجھ کو جو قاتل دیکھا

آپ کی یاد سے میں تو کبھی غافل نہ رہا
آپ کہتے ہیں تجھے خواب میں غافل دیکھا

بسترِ گُل پہ جسے دیکھا تھا سوتے کل تک
آج اُس نورکے پُتلے کو تہِ گِل دیکھا

شانِ اللہ کی گلشن میں نظر آئی ہمیں
کبھی غنچے پہ نظر ڈالی کبھی دِل دیکھا

عمر بھر خاک اُڑاتا رہا صحرا کی مگر
عُمر بھر قیس نے لیلیٰ کا نہ محمل دیکھا

مِل گیا خاک میں خود اُن کی حفاظت کے لئے
شوقِ دارماں کا محافظ تجھے اے دِل دیکھا

بھر دیا گوہرِ نایاب سے اشکوں نے مرے
خالی پھیلا ہوا جب دامنِ ساحل دیکھا

ہم سُنانے لگے قصہ اُسے اپنا شنکر
غیر کے ذکر سے جس دم اُسے غافل دیکھا

وہ کُشتہ ہُوں میں چشمِ تغافل شعار کا
پُرساں نہیں خُدا بھی مرے حالِ زار کا

شِکوے تمام جور و ستم کے بھُلا دیئے
احسان مند ہُوں نگہِ شرمسار کا

وہ تفتہ دل ہیں ہم کہ صبا سے بھی بعدِ مرگ
بُجھتا نہیں چراغ ہمارے مزار کا

میری مُصیبتوں کا یہ لُبِّ لباب ہے
تُو اختیار کا ہے نہ دِل اختیار کا

آئیں گے اب وہ کس کی عیادت کو روز روز
احسان ہم سے اُٹھ نہ سکا بار بار کا

یہ کیا ستم ہے؟ غیر یہ کرنے لگے ستم
دِل ٹوٹ جائیگا کسی اُمیدوار کا

کس طرح دل کی آگ بجھائیں خزاں نصیب
جانا چمن سے یاد ہے اب تک بہار کا

شکر دہ دے کے داغِ جُدائی چلے گئے
یہ امتحان ہے مرے صبر و قرار کا

بُرا کہنے سے مجھ کو مُدعا کیا
کوئی پُوچھے تو اُس نے یہ کہا کیا

سُنیں ہم بھی کہ دشمن نے کہا کیا
بھلا جھُوٹی شکایت کا گِلہ کیا

محبت کی یہ باتیں ہیں مری جاں
وفا کی ابتدا کیا۔ اِنتہا کیا

نہ کیجے مجھ سے غیروں کی شکایت
بھُلا دی آپ نے طرزِ وفا کیا

سُنا ہے قیس تھا لیلیٰ کا عاشق
محبت ہو تو پھر اچھا بُرا کیا

جوانی میں یہ نادانی کی باتیں
وہ کہتے ہیں کہ وعدے کی وفا کیا

وفا پر جان بھی قرباں ہے اپنی
جو پُوچھے ہم کو اُس کا پُوچھنا کیا

کھُلے تھے اُس کے لب غنچے کی صُورت
بتا تو دو کہ شنکر سے کہا کیا

عشق کو کامیاب ہونا تھا　　آپ کو بے نقاب ہونا تھا

کیا شکایت ترے تغافل کی　　ختم میرا شباب ہونا تھا

آپ نے ہوش کھو دئیے میرے　　آج ہی بے نقاب ہونا تھا

کیوں نہ دِل چھین کر وہ لیجاتے　　زندگی کو خراب ہونا تھا

اِن حسینوں کے ظلم سہنے کو　　میرا ہی انتخاب ہونا تھا

کیوں زلیخا کا خواب بن نہ گیا　　گر مجھے کامیاب ہونا تھا

چیر کر دِل کو دِل سے نکلی تھی　　آہ کو کامیاب ہونا تھا

مِل کے شنکرؔ سے آج اُس نے کہا
تجھ کو مستِ شراب ہونا تھا

کیا کہوں کیونکر کہوں اے دوست کیا جاتا رہا
جب سے دِل جاتا رہا سارا مزہ جاتا رہا

ہم نشیں عہدِ جوانی کیا مرا جاتا رہا
زندگانی کا مزہ جو کچھ بھی تھا جاتا رہا

صبر کی طاقت کہاں ہے، ضبط کا یارا کہاں
ناز تھا جس پر ہمیں وہ حوصلہ جاتا رہا

دِل ہی تھا اُلفت کا باعث میرے اُن کے درمیاں
جب وہی جاتا رہا سب سِلسلہ جاتا رہا

شکوۂ بیداد ہم کرتے تو کرتے کس طرح
دیکھتے ہی اُن کی صُورت سب گِلہ جاتا رہا

لو وفاداری بھی اب دُنیا سے رخصت ہو گئی
مِٹ گئے اہلِ وفا، نامِ وفا جاتا رہا

حالِ دل کہنے کو تھے شنکر کسی کی بزم میں
مُدّعی کو دیکھ کر سب مُدّعا جاتا رہا

مرتا ہوں کہ اُس شوخ کا پیغام نہ آیا — یہ جذبِ محبت بھی مرے کام نہ آیا
ساقی تری بخشش کا زمانے میں ہے شہرہ — لبریز مگر بزم میں اِک جام نہ آیا
قاصد کی یہ دانائی یہ فرزانگی دیکھو — سب کچھ تو کہا اُس نے مرا نام نہ آیا
خورشید چھپا، ماہِ درخشاں نکل آیا — وہ صبح کا بھولا تو کبھی شام نہ آیا
وہ سمجھے کہ عاشق مرا دُنیا سے سدھارا — نالہ جو مرے لب پہ سرِ شام نہ آیا

اِس رشک سے مرتا ہے مرا دُشمنِ بدخُو
شنکر یہ کبھی عشق میں الزام نہ آیا

عقلمندی کی ہے اِس ناداں نے کیا — آ کے دُنیا میں لیا اِنساں نے کیا

آپ کیوں بیٹھے ہوئے ہیں دم بخود — کہ دیا آئینۂ حیراں نے کیا

چار دن دیکھی نہ گلشن کی بہار — لے لیا کھِل کر گُلِ خنداں نے کیا

بس نہیں چلتا صبا کے سامنے — کھائے ہیں بل گیسوئے پیچاں نے کیا

کیوں چٹکتے ہیں یہ غُنچے باغ میں — آنکھ کھولی نرگسِ حیراں نے کیا

خاکساری کی بدولت دیکھئے — مرتبہ حاصل کیا اِنساں نے کیا

اُٹھ گئی دُنیا سے اب اِنسانیت
ظُلم اِنساں پر کئے اِنساں نے کیا

آئی بہار، عشق کا ساماں بنا دیا
دامن کو چاک کر کے گریباں بنا دیا
وہ خوش ہوئے کہ درد کا ساماں بنا دیا
داغوں نے عِشق کے مجھے انساں بنا دیا
کیوں قدرتِ خُدا پہ نہ ہو جائیے نثار
تم کو تمہاری شان کے شایاں بنا دیا
ہیں حسرتوں کے ساتھ کچھ ارمان بھی تو قید
دِل کو ہمارے آپ نے زنداں بنا دیا

گلہائے داغِ عشق کی دِل میں بہار ہے
سینے کو میرے رشکِ گلستاں بنا دیا

دریائے حسن آئینے میں موج زن تو تھا
آرائشوں سے آپ نے طوفاں بنا دیا

شنکر کی شکل دیکھ کے کہتے ہیں ناز سے
کم بخت تجھ کو کِس نے مسلماں بنا دیا

وصال میں بھی ہمارا نہ اضطراب گیا
بتا تو دے ہمیں دشمن کو کیا جواب گیا
کسی کے قدموں سے لپٹا ہوا شباب گیا
کہ دن کا چین گیا اور شب کا خواب گیا
خوشی ہو کیا مجھے شرم و حیا کے مٹنے کی
زبان کھل گئی ظالم کی گر حجاب گیا
وہ میرے فقروں کو سمجھے نہ سمجھے کیا معلوم
جواب میری طرف سے تو لاجواب گیا

زمین ہلتی ہے مدفن کی، یہ تماشا دیکھ
لحد میں جا کے بھی میرا نہ اضطراب گیا

اسی کا نام ہے واعظ جو وعظ ۔ کیا کہنا
زباں سے تیری نہ ذکرِ شرابِ ناب گیا

وہ چار دن ہی میں کُھل کھیلے اپنے عاشق سے
خُدا کا شکر ہے شکر ہے اب حجاب گیا

فرقت میں محوِ جلوۂ جاناں بنا دیا

دوزخ کو خُلد اے شبِ ہجراں بنا دیا

دستِ جنوں کے صدقے کہ فصلِ بہار میں

دِل کو کیا جو چاک گریباں بنا دیا

یہ مُعجزہ تھا آتشِ اُلفت کا بعدِ مرگ

دِل کو چراغِ گورِ غریباں بنا دیا

حُسنِ ادا سے سُرمے کا دُنبالہ کھینچ کر

عاشق کے دِل میں چُبھنے کو پیکاں بنا دیا

کیا خوب خطِ شوق کا اُس نے دیا جواب
پُرزے اُڑا کے میرا گریباں بنا دیا
چرچا تھا قدسیوں میں، ملائک میں کھلبلی
اللہ مُشتِ خاک کو اِنساں بنا دیا
قُدرت کے کارخانے میں شنکرؔ کِسے ہے دخل
جس شان کے جو کوئی تھا شایاں بنا دیا

آہ کچھ پاس تجھے اُس کا ستم گر نہ ہوا
تیرے فرمانِ قضا سے بھی جو باہر نہ ہوا

نہ سہی مثلِ مہ و خور جو منوّر نہ ہوا
دل کا آئینہ مگر میرا مکدّر نہ ہوا

وہ ستم کون سا باقی ہے جو ہم پر نہ ہوا
اب بھی دِل شاد ترا چرخِ ستم گر نہ ہوا

شوقِ دیدار میں عشّاق نے جانیں دے دیں
تو ہی اے پردہ نشیں پردے سے باہر نہ ہوا

جب کبھی آنکھ لگی خواب پریشاں دیکھا
خواب میں بھی ہمیں آرام میسّر نہ ہوا

ایسے جینے کو بھلا کون کہے گا جینا
کام دُنیا میں کوئی نیک جو شنکر نہ ہوا

مری قسمت میں وصل اُس کا اگر اے آسماں ہوتا
تو تُو بھی مہرباں ہوتا حُسندا بھی مہرباں ہوتا
ستم کے بعد ہوتا ہے کرم بھی، یہ اگر سچ ہے
مرے دِل پر بھی ایسا ہی ستم اے جانِ جاں ہوتا
بلائیں لے کے دشمن مرگیا میری بلا سمجھے
سمجھ میں میری جب آتا تماشا یہ یہاں ہوتا
زمیں پر سونے والوں کو حقارت سے نہ ٹھکراتا
ہماری طرح گردش میں جو تُو اے آسماں ہوتا

چمن۔ اُودی گھٹا۔ ساقی۔ صُراحی اور پیمانہ
یہ سب ساماں ہوتے شیخ کا پھر امتحاں ہوتا

سُنا ہے فصلِ گُل آئی، ہوئی پھر گُلشن آرائی
چمن میں کاش اپنا بھی قفس اے باغباں ہوتا

وہ میرا رو کے کہنا۔ اُن کا شنگر ہنس کے فرمانا
ارے اُلفت میں کوئی بھی نہیں ہے شادماں ہوتا

ناشادِ دِل کا رنج کبھی کم نہ ہو سکا
ہونا تھا جو غریب کا ماتم نہ ہو سکا
آنسو بہا کے پھولوں پہ موتی بکھیرتے
ہم سے یہ مشغلِ گریۂ شبنم نہ ہو سکا
دی جان اپنی، اُس کی مگر التجا نہ کی
مجھ سے غرورِ عشق کبھی کم نہ ہو سکا
آ کر مزاج پوچھتی بیمارِ ہجر کا
اے موت۔ تجھ سے یہ بھی شبِ غم نہ ہو سکا

غصے میں مان لیتا تھا اکثر ہماری بات
چھیڑا ہزار اُس کو وہ برہم نہ ہو سکا
فرقت نصیب ہوں مجھے طعنہ نہ دیجیے
دل بھی شریکِ حال شبِ غم نہ ہو سکا
سر کٹ کے اور حوصلۂ عشق بڑھ گیا
شنکرؔ کے دل سے عشق ترا کم نہ ہو سکا

قلم تیغِ ادا سے سر کیا مجھ نیم بسمل کا
قیامت تک رہیگا سر پہ یہ احسان قاتل کا

کرو پامال تم پائے حنائی سے تو میں سمجھوں
ہوا منظور نذرانہ مرے ٹوٹے ہوتے دِل کا

عبث اے قیس تجھ کو ہے ہوس دیدارِ لیلیٰ کی
رہے گا ہوش بھی باقی اُٹھا پردہ جو محمل کا!

قیامت تھا کسی کا وقتِ رخصت ہنس کے فرمانا
ملیں گے حشر میں۔ اللہ بیلی ہے تمہارے دِل کا

یہ دھوکا ہے نظر کا یا حقیقت، پُوچھیئے کِس سے
ہمیں ہر گام پر نقشہ نظر آتا ہے منزل کا

کِسی کے تیر کا پیکاں کھٹکتا ہے جو سینے میں
خدا رکھے مِلا نشتر یہ اچھا خوں بہا دِل کا

گلشن میں جہاں ابرِ بہاراں نظر آیا
ہر غنچہ و گُل چاک گریباں نظر آیا

شنکر! جو فرشتہ صفت انساں نظر آیا
دُنیا میں ہمیں وہ بھی نہ شاداں نظر آیا

ایسا نہ تمہیں کوئی وفادار ملے گا
دِل دے کے جو شرمندۂ احساں نظر آیا

اللہ، ہے کیا چیز غریب الوطنی بھی
کوئی بھی نہ آرام کا ساماں نظر آیا

دیکھا تھا جو گیسو کو ترے رُخ پہ پریشاں
جب آنکھ لگی خوابِ پریشاں نظر آیا

کعبہ سے غرض ہے نہ کلیسا سے ہی مطلب
ہر سمت ہمیں تو درِ جاناں نظر آیا

آغوش میں رحمت نے لیا بڑھ کے اُسی کو
جو اپنے گناہوں پہ پشیماں نظر آیا

دل شاد رہے عید کی مانند ہم اُس دن
شُکر ہمیں جس روز وہ شاداں نظر آیا

چھوڑ کر رُخ پہ جو وہ زُلفِ پریشاں آیا
وہیں سے لینے کو بلائیں مہِ تاباں آیا

ہمصفیرانِ قفس۔ باغ میں کیا آئی بہار
آج کیوں بخیۂ وحشت میں گریباں آیا

ہوا اُس وقت خُدا کی بھی خدائی کا ظہور
باغِ فردوس سے دُنیا میں جب انساں آیا

سچ بتا جب ہوا اُس آئنہ رُو کا دیدار
کچھ نظر بھی تجھے اے دیدۂ حیراں آیا

ہر ادا جس کی دل آزار بھی دِل سوز بھی ہے
اُس شہِ حُسن پہ تو اے دِلِ ناداں آیا

تیری رحمت کے بھروسے پہ گُنہگار ترا
عرصۂ حشر میں بھی بے سروساماں آیا

شادمانی و مسرت کو دوبالا کرنے
محفلِ شاد میں شنکر بھی غزل خواں آیا

یہ بادل تو وحشت کا سامان نکلا | یہاں سَو جگہ سے گریبان نکلا

تری بزم میں کِس کا ارمان نکلا | جو محفل سے نکلا پریشان نکلا

اشاروں میں کل اُس نے وعدہ کیا ہے | بڑی مشکلوں سے اِک ارمان نکلا

شبِ ہجر میں بھی نہ تنہا رہے ہم | تصوّر ترا دِل میں مہمان نکلا

زمانے کی محفل میں عاشق تمہارا | پریشان آیا پریشان نکلا

مَنا کر مجھے ساتھ لے جا رہے ہیں | بڑی دھُوم سے آج ارمان نکلا

جو سینے سے کھینچا۔ تو پھر میں کہاں تھا؟ | ترا تِیر بن کر میری جان نکلا

سِتم دیکھئے میری قسمت کا لکھا | سِتم گار کے خط کا عنوان نکلا

بُہت خوش ہوئے آج شنکر سے مِل کر

بڑی خُوبیوں کا وہ اِنسان نکلا

اور زخمی ہوئے دِل اور جگر دیکھ لیا؟

تم نے ہنس کر بھی مجھے ایک نظر دیکھ لیا

رُوٹھ جائیں نہ کہیں۔ اُن سے کہوں یا نہ کہوں

"آپ نے میری دعاؤں کا اثر دیکھ لیا؟"

میہماں شامِ مسرت مرے گھر آئی ہے

مَیں نے کیا خواب حسیں وقتِ سحر دیکھ لیا

باغباں توڑ لئے لعل نہ گُلشن کے ترے

ہم نے پھُولوں کو اگر ایک نظر دیکھ لیا

اُدھر جُڑ جائیں گے تنکے تو نشیمن کے لئے
غم ہے اِس بات کا بجلی نے یہ گھر دیکھ لیا

اپنے پروانوں کو ہنس ہنس کے جلایا تُو نے
اُس کا انجام بھی اے شمعِ سحر دیکھ لیا

سر بسجدہ تھا، ندا آئی کہ مِٹ جائیگا
تُو نے قسمت کے نوشتے کو اگر دیکھ لیا

ہم نہ کہتے تھے کہ ہو جائے گا رُسوا اشکر
ہو گئی سارے زمانے کو خبر، دیکھ لیا

دِل لیا اُس بُتِ کافر نے پھر ایمان لیا

جان بھی جائے گی اُلفت میں یہ اب جان لیا

ہم نے چاہا تھا سبکدوش ہوں سر دے کے اُسے

اپنے سر ہائے نہ قاتل نے یہ احسان لیا

دھجّیاں جامۂ ہستی کی نہ اُڑ جائیں کہیں

خیر ہو پنجۂ وحشت نے گریبان لیا

لوحِ دِل پر مری کندہ تھا مری آنکھوں نے

آپ کا نقشِ قدم لاکھ میں پہچان لیا

شرم نے، شوخی نے، آنکھوں کی حیا نے تیری
کیا بتاؤں تجھے کِس نے مرا ایمان لیا

میری کھسیانی ہنسی پر جو خفا ہوتے ہیں
کیا سمجھ کر مَیں ہنسا، آپ نے کیا جان لیا

عُمر بھر آپ نے دُشمن کو نہ دُشمن سمجھا
ہم نے تو ایک نظر میں اُسے پہچان لیا

وائے تقدیر کہ شنکرؔ نے ازل کے دِن بھی
حشر تک بھی جو نہ پُورا ہو وہ ارمان لیا

یہ دَورِ محبّت کا آزار نہیں ہوتا
اچّھا ہی کبھی اُس کا بیمار نہیں ہوتا

وہ بھی تھی ہوا کوئی جو دیکھ لیا مُوسیٰؑ
نظّارۂ جانانہ ہر بار نہیں ہوتا

کیا پردہ نشینوں کا انداز نرالا ہے
اِن کا کھُلی آنکھوں سے دیدار نہیں ہوتا

آباد نہیں وہ دل - ویرانہ ہے ویرانہ
جو عشق کے داغوں سے گلزار نہیں ہوتا

رو کا نہیں ملنے سے دشمن کے تو فرمایا
کِس پھُول کے پہلو میں یہ خار نہیں ہوتا

رنگ آتا نہیں شنکرؔ جب تک تو محبّت کا
اِس مے سے کوئی جب تک سرشار نہیں ہوتا

وفا کا امتحاں لینا جفا بردار ہو جانا
بہر صُورت انہیں میرے گلے کا ہار ہو جانا

اِدھر داغوں کا دِل میں رُوکشِ گلزار ہو جانا
اُدھر ناوک کا اُن کے سیر کو تیار ہو جانا

اُدھر اِک حُسن کا آمادۂ اظہار ہو جانا
اِدھر سینے کا میرے مطلعِ انوار ہو جانا

جو قسمت میں ہے شوقِ دید کا آزار ہو جانا
تو اے چشمِ تمنّا روزنِ دیوار ہو جانا

پیامِ زندگی دیتا ہے ہر افسُردہ حسرت کو

کسی کے ناوکِ دِل دوز کا غم خوار ہو جانا

مرے دِل کا مقدّر ہے تصوّر شامِ ہجراں کا

مری آنکھوں کی قسمت ہے ترا دیدار ہو جانا

شکستِ برمحل دونوں کی عادت ہے۔ خُدا رکھے

ترے وعدے نے سیکھا توبہ مے خوار ہو جانا

مری آہوں میں ہے سالے چمن کی آتش افروزی

مُبارک شاخِ گل کو آشیاں بردار ہو جانا

ستم ایجاد کے شوقِ ستم پر حرف لائیگا

ترا اے دِل حریصِ لذّتِ آزار ہو جانا

دمِ آخر پھری جاتی ہیں مجھ سے پُتلیاں میری
اِنہیں کس نے سکھایا ہے نگاہِ یار ہو جانا

تری محشر خرامی سے قیامت جاگ اُٹھی لیکن
نہ آیا بختِ خُفتہ کو مرے بیدار ہو جانا

فنا کے جام کا صدقہ۔ بقا کی دیکھ لی صُورت
مُبارک ہم کو اپنی زیست سے بیزار ہو جانا

نظر تجھ سے ملا کر جیتے جی دیکھا ہے شنکرؔ نے
اچانک موت کے ناوک کا دِل کے پار ہو جانا

زباں کا ذکر ہی کیا ہے نفس نہیں چلتا
ترے حضور کسی کا بھی بس نہیں چلتا

سنائیں کس کو یہ مجبوریاں محبّت کی
ہمارے دل پہ ہمارا ہی بس نہیں چلتا

وہ ہاتھ رکھ کے مرے دل پہ بولے حیرت سے
یہ کیا ہوا ترے دل کو نفس نہیں چلتا

بنائیں سجدوں سے بگڑے ہوئے مقدّر کو
مگر نوشتۂ قسمت پہ بس نہیں چلتا

بہارِ گُل میں بھی تُو کِس خطا پہ اے صیّاد
چمن میں لے کے ہمارا قفس نہیں چلتا

خودی میں بندۂ سرکش خدا ہی بن جائے
قضا و قدر پہ ظالم کا بس نہیں چلتا

سخن سے زندہ ہیں سوداؔ و میرؔ اے شنکرؔ
کسی کا نام یہاں سو برس نہیں چلتا

وہ کہتے ہیں ہمارے نام کا تُو نے اثر دیکھا
قمر کی طرح روشن ہو گیا داغِ جگر دیکھا

قیامت تھی جب اُس نے پھیر کر تیغِ نظر دیکھا
صفیں ٹُوٹی نظر آتی تھیں قاتل نے جدھر دیکھا

وفا کے نقش تھے دِل پر مرے یا داغ فرقت کے
بوقتِ امتحاں پہلُو جو اُس نے چیر کر دیکھا

گرا وہ ہاتھ سے خنجر وہ نکلی تیغ قبضے سے
کسی بے کس کے تم نے قتل پر کس کر کمر دیکھا؟

نکلنے بھی نہ پائی تیغ، بسمل ہو گئے لاکھوں
وفاداروں کا تُم نے کھیل جانا جان پر دیکھا؟
خُدا رکھّے ہمارے قتل پہ تلوار باندھی تھی
لچک کر وہ کئی بل کھا گئی پتلی کمر، دیکھا؟
کہو تو حضرتِ شنکرؔ، رہے ہر حال میں جو خوش
فرشتہ سیرت ایسا کوئی دُنیا میں بشر دیکھا؟

الٰہی خیر ہو، راس آئے مجھ کو شادماں ہونا
کھٹکتا ہے فلک کو مجھ پہ اُن کا مہرباں ہونا

تڑپتا ہی نہ رہ جائے تمہاری مہربانی سے
تم اپنے مرنے والے پر بگڑ کر مہرباں ہونا

قفس کی تیلیوں سے پھوڑ کر سر کیوں نہ مر جاؤں
قیامت ہے مری نظروں سے اوجھل آشیاں ہونا

یہ صبحِ وصل اُن کا کہہ کے جانا نقش ہے دِل پر
سزاوار آئے دُنیا میں تجھے بھی شادماں ہونا

بشر کی زندگی کیا ہے کہ دورِ آزمائش ہے
قیامت میں ابھی باقی ہے ایک اور امتحاں ہونا

جو نازاں ہیں زباں دانی پہ اپنی یہ سمجھ لیں وہ
بہت دُشوار ہے شیریں سخن اہلِ زباں ہونا

ہُوا کرتا ہے وصل اُس کا کِسی تقدیر والے کو
مُبارک حضرتِ شنکر ہو تُم کو شادماں ہونا

بعدِ آرائش نہ کہنا مجھ سے صورت دیکھنا

آئینے میں آج تم اپنی شرارت دیکھنا

مست آنکھیں شوخ نظریں چال اٹھلائی ہوئی

لوٹتی کل اپنے قدموں پر قیامت دیکھنا

پھر مرے دل کو سکون و صبر کچھ آتا چلا

پھر اسی بانکی ادا سے میری صورت دیکھنا

آئے تو وعدہ پہ لیکن روٹھ کر چلتے بنے

میری قسمت میں لکھا تھا رنجِ فرقت دیکھنا

تُم نے تو مُنہ پھیر کر سیکھا ہے کہہ دینا نہیں
میرا غم ، میری تمنّا ، میری حسرت دیکھنا

جان کر انگور کا پانی اُڑایا ایک جام
میکدے میں شیخ صاحب کی حماقت دیکھنا

دیکھ لیں گے تُم کو ہم روزِ جزا آنے تو دو
رنگ لائے گا ہمارا داغِ فرقت دیکھنا

ابتدا ہے شعر گوئی کی ابھی ہیں مُبتدی
کچھ دِنوں کے بعد شنکرؔ کی طبیعت دیکھنا

میہماں جتنے دن شباب رہا
اک نہ اک جان پر عذاب رہا

آنسوؤں سے بجھی نہ عشق کی آگ
سوزِ اُلفت سے دِل کباب رہا

دلِ خانہ خراب کے ہاتھوں
عشق میں خانماں خراب رہا

مَیں ہُوں شکلِ سوال وہ خاموش
لاجواب اُن کا یہ جواب رہا

دُخترِ رز سے نہ تھی غرض لیکن
ہم بغل شیشۂ شراب رہا

ملکُ الموت نے جگایا ہے
مُدّت العمر محوِ خواب رہا

کیوں نہ سمجھوں ترے ستم کو کرم
لُطف آمیز ہر عتاب رہا

عشق کا داغ دِل میں تابندہ
رات دِن مثلِ آفتاب رہا

منزلت عشق کی زہے قسمت
مَیں سزاوارِ صد عتاب رہا

تھے وہ بے مثل حُسن میں شنکر
عشق میں مَیں بھی لاجواب رہا

گِر کے قدموں پہ سرِ بزم تڑپنا دیکھا
مرنے والے کا مری جان تماشا دیکھا

اِک جہاں تیرا تماشائی ہے سب کو ہے خبر
آئینہ دیکھ کے مجھ کو یہ بتا کیا دیکھا

کھول کر نامہ مرا اُس نے پڑھا بھی کہ نہیں
نامہ بَر میری طرف سے اُسے کیسا دیکھا

دِل جِسے کہتے ہیں پہلو میں کبھی وہ ہوگا
ہم نے تو دِل کی جگہ داغِ تمنّا دیکھا

کون کہتا ہے کہ شہرت تیرے عاشق کی نہیں
اُس کو تو کوچہ و بازار میں رُسوا دیکھا

آئینہ خانے میں نکلا نہ کوئی تیرا جواب
یہی کہتا تھا محبت کا تقاضا۔ دیکھا

تُم تو مصرُوف رہے حُسن کی آرائش میں
ہم نے آئینے میں کل اِک ستم آرا دیکھا

جل گیا طُور، گرے حضرتِ مُوسیٰ غش میں
کیا کلیجہ تھا کہ جس نے ترا جلوہ دیکھا

عشق کی یہ بھی کرامت ہے اگر تُم سمجھو
تُم نے اپنا مری آنکھوں میں سمانا دیکھا

ٹکٹکی باندھے ہُوئے دیکھ رہا تھا تُم کو
تُم نے شنکرؔ کا بھی محفل میں تماشا دیکھا؟

ڈوبنا اُس کا بہت آسان تھا مُشکل نہ تھا
ایک تِنکے کا سہارا بھی جِسے حاصِل نہ تھا

ہو گئی عشقِ مجازی میں حقیقت آشکار
دِل لگانا اُس بُتِ کافر سے بے حاصل نہ تھا

لذّتِ زخمِ جگر، اور غیر، صدقے آپ کے
وہ کبھی تیرِ نگاہِ ناز کا بِسمل نہ تھا

اپنی اپنی پڑ رہی تھی، سب کے سب تھے بیقرار
حشر کے میدان سے کم کوچۂ قاتل نہ تھا

فصلِ گُل میں بھی نہیں کھِلتا، اِسے کیا ہو گیا
اب سے پہلے اِس قدر پژمُردہ میرا دِل نہ تھا

اے تغافل کیش تیری بے نیازی کی قسم
تو مجھے بھُولا رہا ہو، تجھ سے مَیں غافل نہ تھا

ہنس کے اے قاتل نہ دیتا ہو دُعائیں جو تجھے
پہلوئے شنکر میں ایسا کوئی زخمِ دِل نہ تھا

ہو ضبط جو اُلفت میں تو پھر کیا نہیں ہوتا
ہم کیا کریں کم بخت دِل اپنا نہیں ہوتا

تُم جیسا اگر حُسن میں یکتا نہیں ہوتا
ہم سا بھی کوئی چاہنے والا نہیں ہوتا

ہاں ہاں مری گردن پہ چھُری پھر نہیں سکتی
جب تک ترے ابرُو کا اشارہ نہیں ہوتا

سچ جانئے عنقا ہے وفا بوالہوسوں میں
ہر فردِ بشر عشق میں یکتا نہیں ہوتا

دل عاشقِ صادق کا تو مُشکل سے مِلے گا
یہ بیش بہا ہوتا ہے سستا نہیں ہوتا

پھر سینے میں کیوں پھانس کھٹکتی ہے یہ شنکر
جب دِل میں کوئی خارِ تمنّا نہیں ہوتا

غمِ دوست کو آسائشِ دُنیا سے غرض کیا
بیمارِ محبّت کو مسیحا سے غرض کیا

سرتا بہ قدم بندۂ تسلیم و رضا ہوں
مجھ عاشقِ صادق کو تمنّا سے غرض کیا

کُوچہ ہے ترا اور ہے دِن رات کا چکّر
وحشی کو ترے گُلشن و صحرا سے غرض کیا

وعدہ نہ کرو جلوۂ دیدار دکھاؤ
امروز کے مُشتاق کو فردا سے غرض کیا

تُم باغ میں جاتے ہو تو گُل کھِلتے ہیں کیا کیا
پھُولوں کو تمہارے رُخِ زیبا سے غرض کیا

عقل اِتنی کہاں ہے کہ جو انجام کو سوچے
دُنیا کے طلبگار کو عقبیٰ سے غرض کیا

احباب ہیں میخانہ ہے پہلُو میں ہے معشوق
اب حضرت شنکر کو تمنّا سے غرض کیا

بُتوں کے عشق میں مانا ہے کب دِل نے کہا میرا
خُدا معلوم ہوگا حشر کے دِن حشر کیا میرا

سُناؤں کیا تمھیں کیا پُوچھتے ہو مُدّعا میرا
تمُہارے عشق میں جو حال ہونا تھا ہوا میرا

خفا ہو کر چلے ہو تُم کہاں ٹھیرو ذرا دم لو
ٹھہرنے دو مرا دِل، ہو رہا ہے دم خفا میرا

نہ وہ آئیں نہ موت آئے نہ صبر آئے نہ خواب آئے
شبِ غم! کون دے گا ساتھ اب تیرے سوا میرا

جفاؤں کا نہیں شکوہ شکایت صرف اتنی ہے
محبت سے کبھی تم نے نہ حالِ دل سنا میرا

نہیں اے بے وفا مہر و وفا کی قدر کچھ تجھ کو
مگر ماتم کریں گے حشر تک اہلِ وفا میرا

اثر کرتے ہیں اُس کے دِل پہ یہ اشعار اے شنکر
شریکِ غم ہو میرا کوئی، یا درد آشنا میرا

جو ہوش آگیا مجھ کو خیالِ یار ہوا
ہزار بار شبِ ہجر بے قرار ہوا

مَیں اُن سے نالاں ہوں اور وہ عدُو سے ہیں نالاں
کِسی کے دِل پہ کِسی کو نہ اختیار ہوا

یہی مَیں سمجھوں گا جنّت میں آگیا گویا
تمُہارے کُوچے میں میرا اگر مزار ہوا

کِسی کی موت کا صدمہ نہ اُٹھ سکا مجُھ سے
عدُو کی مرگ پہ بھی مَیں تو سوگوار ہوا

وفا کے ساتھ محبت سرشت تھی میری
ترے سِتم کا نہ مجھ سے کبھی شمار ہوا

کِھلائے داغِ جگر نے وہ پھول سینے میں
خزاں کا دَور مرے واسطے بہار ہوا

نہ آسماں کو جلایا نہ غیر کو پھونکا
ہمارا نالہ بھی کیا نغمۂ ہزار ہوا

تجھی پہ گِرنا تھا زُلفوں کا دام اے شنکر
ترے سِوا نہ کوئی دُوسرا شکار ہوا

مقدر اپنا برگشتہ مخالف آسماں اپنا
وہ کیا رُوٹھا کہ دشمن ہو گیا سارا جہاں اپنا

الٰہی ہو گیا بے وجہ دشمن باغباں اپنا
کہاں لے جائیں گُلشن سے اُٹھا کر آشیاں اپنا

بگڑ جائے نہ گلچیں ہے زمانے کی ہوا بگڑی
بنایا تو ہے بُلبُل شاخِ گُل پر آشیاں اپنا

فسانہ بن گئے اپنا عشق دُنیا کی زباں پر ہے
دیا تھا ہم نے دِل تم کو سمجھ کر رازداں اپنا

وفا کی قدر کیا ہوتی ستم کے ہو گئے خوگر
بنایا اُن کو دشمن ہم نے دے کر امتحاں اپنا

خُدا کی ذات پر ہم کو تو اے شنکرؔ بھروسا ہے
بلا سے دشمنِ جاں ہو جو ہے سارا جہاں اپنا

یہ ساغر ہے ارے اے محتسِب زمزم کے پانی کا
جسے تو جام سمجھا ہے شرابِ ارغوانی کا

یہ قصّہ مختصر ہے چند روزہ زندگانی کا
کہ پُتلا خاک کا اِک بُلبُلا ہوتا ہے پانی کا

خُدا کی شان ہے مَیں شربتِ دیدار کو ترسُوں
عطا ہو غیر کو ساغر شرابِ ارغوانی کا

ہمارے عشِق کی بھی دھُوم ہے ساری خُدائی میں
اگر دُنیا میں چرچا ہے ترے حُسن و جوانی کا

چمن ہے چاندنی ہے موسمِ گُل بھی ہے اے ساقی
لُنڈھا دے آج تو اک خُم شرابِ ارغوانی کا
گھٹا آئی ہوئی ہے ہم پئیں گے آج تو چھک کر
بھروسا کیا ہے اے پیرِ مغاں اس زندگانی کا
غزل سُننے نہیں وہ اُنگلیاں کانوں میں دے بیٹھے
انہیں اب اِس قدر ڈر ہے مری جادُو بیانی کا
وہ ہم میخوار ہیں شنکر جو مسجد میں دُعا مانگیں
برس جائے گا ہم پر مینہ شرابِ ارغوانی کا

قاصد نہیں یہ وقت سوال و جواب کا
اب حال غیر ہے دلِ خانہ خراب کا

تم دیکھنے کی چیز ہو دیکھا کرے کوئی
یہ حُسن یہ جمال یہ عالم شباب کا

تمہیدِ بیخودی تھا۔ کہاں تھے حواس و ہوش
خلوت میں آکے اُن کا اُلٹنا نقاب کا

کیا آتشِ فراق نے دِل پر اثر کیا
اِن آنسوؤں میں میرے مزا ہے کباب کا

ہم نے تو اپنی آنکھ سے دیکھا نہیں اُنہیں
قِصّہ سُنا ہے حضرتِ شنکرؔ کے خواب کا

دُنیائے اِنتظار کا نقشہ بدل گیا
برسوں کے بعد آج یہ کانٹا نِکل گیا

عاشق کی زندگی کی بس اتنی بساط تھی
روشن ہوئی تھی شمع کہ پروانہ جل گیا

سوزِ تپِ درُوں تجھے کیا آگ لگ گئی
آنسو ہماری آنکھ سے کیونکر نِکل گیا

مخصُوص ہے یہ بات غمِ عشق کے لئے
دو روز میں شباب کی صُورت بدل گیا

اُن کے جنُونِ عشق کا پردہ نہ رکھ سکے
دامن کو سی لیا تو گریباں نِکل گیا

ہیں میرے حال پر تری اِتنی نوازشیں
دُشمن بھی دیکھ کر کفِ افسوس مَل گیا
وارفتگیِ عشق و جنُوں کچھ نہ پُوچھیے
کوسوں جہانِ ہوش سے آگے نِکل گیا
ناکامیوں کی حد بھی کوئی اے غمِ فراق
اب تو اِس آہِ سرد سے دِل اپنا جل گیا
شُکر کا ہر نفس ترا مِنّت گزار ہے
تُو نے مجھے سنبھال لیا، مَیں سنبھل گیا

وہ صُورت دیکھ کر اُن کی مرے ہونٹوں کا سِل جانا
وہ اُن کا ہنس کے کہنا، ہم نے تیرا حالِ دِل جانا

سبق آموز ہے ہمدم گُلستانِ محبّت میں
کلی کا مُسکرا کر گود میں کانٹوں کی کِھل جانا

چمن میں جب کلی کو خاک میں مِلتے ہوئے دیکھا
اُسے اپنا ہی دِل سمجھے، اُسے اپنا ہی دِل جانا

رُلائے گا لہُو برسوں بیابانِ محبّت میں
گھڑی بھر غُنچۂ دِل کا چمن میں جا کے کِھل جانا

یہ کہنا اُن سے اے قاصد جو غیروں سے مِلے فُرصت
تو دم بھر کے لئے تُم اپنے شؔنکر سے بھی مِل جانا

منظر آنکھوں میں مُسکرانے کا   در کھُلا ہے شراب خانے کا

درد یہ لا دوا ہے جانے دو   دِل کا آزار کیا ہے جانے کا

سحر ہے، برق ہے، قیامت ہے   اُن کا انداز مُسکرانے کا

حشر ٹوٹے اگر سُنے دُنیا   ایک حِصّہ مرے فسانے کا

ہے جہاں بولتا ہُوا عنواں   موت اور زیست کے فسانے کا

اپنے بیگانے ہو گئے شنکرؔ
شِکوہ کِس مُنہ سے ہو زمانے کا

جس پھول پہ ہو گلچیں کی نظر وہ جانِ گلستاں کیا ہوگا
کھلنے کی جسے مہلت نہ ملے وہ رشکِ بہاراں کیا ہوگا

اے غنچہ و گل کے دیوانو! اس بات پہ کچھ تو غور کرو
ترتیبِ گلستاں کیا ہوگی؟ آئینِ بہاراں کیا ہوگا

ہر ایک قدم پہ گلشن میں خوں رنگ فسانے بکھرے ہیں
اے ذوقِ نظر کچھ تو ہی بتا اب زیست کا عنواں کیا ہوگا

اے دیکھنے والے ساحل سے یہ موجوں سے لپٹے طوفاں سے الجھ
نظارۂ طوفاں کرنے سے اندازۂ طوفاں کیا ہوگا

جو زینتِ محفل تھے شنکر۔ وہ چاند ستارے ڈوب گئے
اب شمع فروزاں کیا ہوگی؟ اب جشنِ چراغاں کیا ہوگا

بے وفا کہہ کے سرِ بزم مجھے یاد کیا
سوچئے! سوچئے! کیا آپ نے ارشاد کیا

چُپ چپاتا کوئی کترا کے چلا تھا مجھ سے
درد نے اُٹھ کے مجھے مائلِ فریاد کیا

آپ کی باتیں ہیں سب میری سمجھ سے باہر
کیوں مجھے شاد کیا غیر کو ناشاد کیا

اُن کا کیا شکوہ۔ گِلہ ہے تو مقدّر سے مجھے
اُن کو ارشاد جو کرنا تھا وہ ارشاد کیا

ہچکیاں نزع میں تڑپائے چلی جاتی ہیں
کس بُرے وقت میں ظالم نے مجھے یاد کیا

پے بہ پے بھیج کے قاصد جو مجھے بُلوایا
کیا سِتم کوئی نیا آپ نے ایجاد کیا؟

یہ نیا ظُلم ہے، جانے بھی نہیں دیتے مجھے
ابھی محفل سے اُٹھایا تھا ابھی یاد کیا

آ گئے رُوٹھ کے اُس شوخ سے جب تُم شکیلؔ
لوگ کہتے ہیں تمہیں اُس نے بہت یاد کیا

کون سے دن دِل پسیجا اُس بُتِ بے پیر کا
مَیں تو قائل ہی نہیں ہُوں آہ کی تاثیر کا

امتحاں ہو تو عدُو کا! آزماؤ تو اُسے
ایک رُخ دیکھا نہیں کرتے کبھی تصویر کا

تجھ کو میری آرزو: اے دشمنِ مہر و وفا
کارنامہ ہے یہ میری آہ کی تاثیر کا

جو خطا کر جائے یا جس کا نشانہ چُوک جائے
تیرے ترکش میں بھلا کیا کام ایسے تیر کا

تیری آنکھیں تو ستم گر: اک طلسمِ حُسن ہیں
اِن سے بڑھ کر اور کیا ہو گا عمل تسخیر کا

محویت میں ہُوں حضوری سے مجھے فرصت نہیں
دِل کو آئینہ بنایا ہے تری تصویر کا

اُن کے پردے میں بھی ہے شُکرِ ادائے دلبری
ہر جگہ مشہور ہے اُن کے حُسنِ عالم گیر کا

رُخ نظر کا کبھی اِدھر نہ ہوا　　دِل کو حسرت رہی جگر نہ ہوا

ہجر کی شب تو جان لیوا تھی　　دِن جُدائی کا بھی بسر نہ ہوا

اس کے الفاظ دل میں چھپتے ہیں　　کوئی فقرہ بھی بے اثر نہ ہوا

بزم میں سَو مقام بدلے ہیں　　رُخ تمہارا کبھی اِدھر نہ ہوا

وصل لکھا تھا میری قسمت میں　　سبلے کسی دیکھئے مگر، نہ ہوا

ہجر نے دم پہ یہ بنا دی تھی　　ہم سے نالہ بھی رات بھر نہ ہوا

عُمر بھر اس کی تاک ہی میں رہے　　دھیان اپنا اِدھر اُدھر نہ ہوا

اُس کے جلوے سے تھا جہاں معمور　　غیر کا ذکر بھول کر نہ ہوا

اُس کو عاشق نہ سمجھو اے شنکر

جو فدا اُس کے نام پر نہ ہوا

رُخِ تاباں پہ اگر گیسوئے پیچاں ہو گا
دیکھنا میری طرح وہ بھی پریشاں ہو گا

فصلِ گُل آئی، یہاں ضبط کا ساماں ہو گا
کون مجنوں کی طرح چاک گریباں ہو گا

پُوچھ مت مجھ سے پریشانیِ خاطر ہمدم
تُو بھی کم بخت مری طرح پریشاں ہو گا

چودھویں رات کی ہم دھوم سُنا کرتے ہیں
چاند کیسا! وہ تمہارا رُخِ تاباں ہو گا

وصل کی شب مرے داغوں کی نمائش ہو گی
آپ وعدے پہ جو آئیں گے چراغاں ہو گا

وصل کی رات بھی ہے اور شبِ ماہ بھی ہے
آج دُنیا سے نرالا کوئی ساماں ہوگا

بوالہوس بھی تری محفل میں ہے عاشق بھی ترا
ہے یہ دُنیا؛ کوئی گریاں کوئی خنداں ہوگا

اِس میں کچھ حضرتِ شنکرؔ کی نہیں ہے تخصیص
آپ کا چاہنے والا تو ہر انساں ہوگا

نازو انداز میں جب حُسن کو کامل دیکھا
آہستہ دیکھ کے ظالم نے مرا دِل دیکھا
نزع میں دردِ محبّت کو جو شامل دیکھا
دیکھ کر نبض مسیحا نے مرا دِل دیکھا
ہائے کِس آنکھ سے قاتل نے مرا دِل دیکھا
حسرتیں جتنی تھیں ایک ایک کو بسمِل دیکھا
گِر گئی باڑ تری تیغ کی خنجر ٹوٹا
سخت جانی کا اثر تُو نے بھی قاتل دیکھا!
عشق دُشوار ہے مُشکل ہے؛ بلائے جاں ہے
ہم نے اِس کام کے قابل تو یہی دِل دیکھا

ہجر کا داغ تھا وہ کچھ مہِ کامل تو نہ تھا
سینے کو چیر کے تم نے نہ مرا دِل دیکھا

ہوش ہی کب تھے بجا جو یہ سمجھتا کیا ہے
جلوۂ حُسن میں پردہ کوئی حائل دیکھا

دعویداران محبت تو بہت ہوتے ہیں
عشق میں حضرتِ شنکرؔ ہی کو کامل دیکھا

اے آفتابِ حُسن - منوّر بنا دِیا
تُو نے تو میرے گھر کو مرا گھر بنا دِیا

سر کو جُھکا خُدا کے لئے، بندۂ خُدا
کیا تجھ کو آسماں کے برابر بنا دِیا

اپنے لکھے کو آپ مٹاتے چلے گئے
لَوحِ جہاں کو حرفِ مکرّر بنا دِیا

دستِ اجل کی طرح مساوات چاہیئے
شاہ و گدا کو اِس نے برابر بنا دِیا

اب میرے لئے رنج کوئی رنج ہی نہیں
اِس کا تو واقعات نے خُوگر بنا دِیا

وہ سُنتے سُنتے تھک گئے اے شوقِ ناتمام
تُو نے تو عرضِ حال کو دفتر بنا دِیا

اِتنے سے دِل میں وسعتِ کونین، کیا کہوں
ایسا اِسے حضُور نے کیونکر بنا دِیا

تڑپا رہی تھی جو، وہ تمنّا ہی مِٹ گئی
مایُوسیوں نے کام یُوں اکثر بنا دِیا

شُکر ہے ہو گئی ہے کسی کی نگاہِ لُطف
ذرّے کو آفتاب کا ہمسر بنا دِیا

وہ قاتل کی نزاکت ہے کہ خنجر اُٹھ نہیں سکتا
یہ میری ناتوانی ہے کہ گِر کر اُٹھ نہیں سکتا

شہیدِ عشق کا سجدے میں سر کاٹا تو ہے. ظالم!
ندامت سے قیامت تک تِرا سر اُٹھ نہیں سکتا

ترے ہاتھوں جو موت آئے حیاتِ جاوداں سمجھوں
اجل کا بارِ احساں اے ستم گر اُٹھ نہیں سکتا

نہیں آنسو، یہ میرا دل ہے، لے لو اپنے دامن میں
کہ فرشِ خاک پر موتی یہ گِر کر اُٹھ نہیں سکتا

ترے قدموں پہ سجدے میں رہوں میں، یہ تمنّا ہے
ترے بارِ کرم سے عُمر بھر سر اُٹھ نہیں سکتا

ڈبو دے جو مصیبت زا سفینہ زندگانی کا
وہ طوُفاں تجھ سے کیا اے دیدۂ تر اُٹھ نہیں سکتا

تری دہلیز پر دھُونی رمائے وہ تو بیٹھا ہے
مثالِ نقشِ پا اب تیرا اشتر اُٹھ نہیں سکتا

بادہ خواروں میں یہ پُکار ہے آج
خُم اُٹھا، لا اِدھر، بہار ہے آج

میرا دِل دیکھ کر وہ کہتے ہیں!
آیا گھر بیٹھے ہی شکار ہے آج

جس نے دِل کو کیا تھا کل چھلنی
پھر وہی تیر دِل کے پار ہے آج

شیخ صاحب! نہ پُوچھئے مجھ سے
کتنی پی ہے، کہ بے شمار ہے آج

کل گریباں ہی چاک تھا لیکن
جیب و دامن بھی تار تار ہے آج

میرے دل میں ہے، میری آنکھوں میں
مُجھ کو جس بُت کا انتظار ہے آج

اپنی سیدھی کمر نہیں ہوتی
وہ گُناہوں کا سر پہ بار ہے آج

صبر آئے، قرار ہو کیونکر
دِل ہی شنکر کا بے قرار ہے آج

ناکامِ عشق ہو گا نہ کوئی مری طرح
آیا یقیں وفا کا نہ اُن کو کسی طرح

موسم بہار کا ہے گھٹا گھر کے آئی ہے
میخوار آج مے پہ گریں گے بُری طرح

پروانہ جل کے راکھ ہوا، شمع جل بجھی
دِن رات جلتے رہتے ہیں ہم ایک ہی طرح

اُس انجمن سے ہم کو نکلنے کا غم نہیں
یہ رنج ہے کہ آئے نکل کر بُری طرح

اچھّے نہیں ہیں ہم اگر، اچھّا بُرے سہی
ہاں بے وفا نہیں ہیں مگر غیر کی طرح

وہ کیا گئے کہ صبر و سکوں ساتھ لے گئے
بہلائے سے بہلتا نہیں دِل کسی طرح

کیوں سکتہ ہو گیا تمھیں آئینہ دیکھ کر
بُت بن کے رہ گئے ہو جو تصویر کی طرح

دِن عُمر کے تو حضرتِ دِل ہیں گذارنے
اچھی طرح گذار لے یا اب بُری طرح

فصلِ بہار میں بھی نہ دِل کی کلی کھلی
پژمُردہ دِل ہُوا نہ شگفتہ کسی طرح

اُس سنگدل کے دِل پہ نہ کچھ بھی ہُوا اثر
مضمون اُس کو خط میں تو لکھا کئی طرح

میخانۂ سُخن سے وہ آتے ہیں شاد شاد
شاکر بھی جھومتے ہوئے میخوار کی طرح

رُخصت ہوئے جو آپ گھڑی دو گھڑی کے بعد
مُشکل پڑے گی ہم کو بڑی دو گھڑی کے بعد

قسمیں نہ کھائیے مجھے بس آ گیا یقیں
ممکن ہے آپ دیں نہ تڑی دو گھڑی کے بعد

سُن کر سوالِ وصل وہ اُٹھ کر چلے گئے
آنکھوں نے پھر لگا دی جھڑی دو گھڑی کے بعد

جب مُدعی سے ملنے کا مَیں نے پتہ دیا
پھر آنکھ سے نہ آنکھ لڑی دو گھڑی کے بعد

رِندوں میں آ تو بیٹھے، نہ سوچا کہ ہو گا کیا
زاہد کو آبرُو کی پڑی دو گھڑی کے بعد

کیوں سُرخ لب کو مَلتے ہو تُم اپنے بار بار
مسّی کی کیا رہے گی دھڑی دو گھڑی کے بعد

شَنکر نیا ہے عشق ابھی دیکھتے ہو کیا
مُشکل پڑے گی اِس سے کڑی دو گھڑی کے بعد

دے شراب اے گلعذار، آئی بہار
اب ہے کِس کا اِنتظار، آئی بہار

گُدگُدائے کیوں نہ کلیوں کو صبا
ہے خوشی سے بے قرار، آئی بہار

میکدے سے اُڑ کے آیا ہے دھواں
یعنی یہ ہے اِشتہار، آئی بہار

فکرِ فردا و غمِ امروز ہیچ
کیوں نہ ہو دِل کو قرار، آئی بہار

فصلِ گُل آئی ، خزاں رُخصت ہوئی
اب ، ہے کانٹوں پہ بہار ، آئی بہار
کاش کِھل جاتے مرے دِل کی کلی
اے مرے پروردگار ، آئی بہار
لا پِلا شنکرؔ مئے نابِ سخن
کہتی پھرتی ہے ہزار ، آئی بہار

مری نظر میں سمائی ہوئی ہے شانِ بہار
مری زبان نہ بن جائے کیوں زبانِ بہار
زبانِ حال سے کہتے ہیں داستانِ بہار
یہ برگِ غنچہ و گُل ہیں کہ ہیں زبانِ بہار
ہمارے سینے میں وہ داغ ہیں محبّت کے
ہمارا خانۂ دِل بن گیا مکانِ بہار
خزاں سے برق سے صیّاد سے یہ کون کہے
خُدا کے واسطے وہ لیں نہ امتحانِ بہار
وہ بھُول جائیں عنادل کا نغمۂ دِلکش
مری زبان سے سُن لیں جو داستانِ بہار

ہے اُس کے واسطے دُنیا میں جیتے جی جنّت
برائے سجدہ ملے جس کو آستانِ بہار
وہ تُم کہ رہتے ہو دِن رات باغِ جنّت میں
وہ مَیں کہ ڈھونڈتا پھرتا ہوُں اب نشانِ بہار
ہمیشہ روئے گی جس کو بہارِ گُلشنِ ہند
وہ ہائے اُٹھ گیا دُنیا سے پاسبانِ بہار
وہ آج خامۂ شنکر نے گلفشانی کی
سُخنوروں نے کہا یہ تو ہے زبانِ بہار

پڑا ہُوں ساقیِ گلفام جام کی خاطر
کرم سمجھ کے ہو مجھ تشنہ کام کی خاطر
مَنا ہی لائے ہم اُس کو خُدا خُدا کر کے
وہ بُت جو رُوٹھ گیا تھا سلام کی خاطر
وفا شعار ہُوں میں کہ نہ بے وفا ظالم
ہر ایک مرتا ہے دُنیا میں نام کی خاطر
ترے نثار مَیں ساقی۔ پلا پلا نہ پلا
مَیں تیرے در پہ تو آیا ہُوں جام کی خاطر
شہیدِ عشق نے کِس شوق سے محبّت میں
مٹائی ہستی، حیاتِ دوام کی خاطر

تمہارے تیرِ نظر کو پلایا دِل کا لہُو
تمام عُمر یُونہی صُبح و شام کی خاطر

نہیں ہے جینے کا کچھ لُطف سچ ہے یہ ہمدم
مَیں جی رہا ہُوں کسی کے پیام کی خاطر

تمام عُمر محبّت سے واسطہ رکھّا
یہاں ہم آئے تھے اِس ایک کام کی خاطر

نزُولِ رحمتِ باری ہے ہر طرف شنکر
کریں شراب سے ماہِ صیام کی خاطر

مجبور سمجھ کر ہمیں لاچار سمجھ کر
ڈھاتا ہے ستم چرخِ ستمگار سمجھ کر

دلدار سمجھ کر نہ وفادار سمجھ کر
ہم دیتے ہیں دل تم کو دل آزار سمجھ کر

ہر گام پہ ہو شوخیِ رفتار سمجھ کر
ڈھاتے ہیں قیامت بھی سمجھدار سمجھ کر

جاتے ہیں لئے ہم خلشِ خارِ تمنّا
آئے تھے ترے کوچے کو گلزار سمجھ کر

ہم عشق کے بندوں سے خدائی کا یہ دعویٰ
ہو سوچ کے۔ ہاں۔ اے بتِ عیّار سمجھ کر

دیکھو تو ستم۔ آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا
ظالم نے ہمیں عشق کا بیمار سمجھ کر
دِل شیشے سے نازک ہے کہیں ٹوٹ نہ جائے
عاشق سے ہو اقرار کہ انکار سمجھ کر
آتے ہی نہیں سامنے۔ پردے میں چھُپے ہیں
اپنا وہ ہمیں طالبِ دیدار سمجھ کر
آتی ہے گھٹا گھر کے تو وہ ساقیِ گلفام
شنکر کو پلا دیتا ہے میخوار سمجھ کر

پرسشِ جرم بار بار نہ کر — رحم کر رحم شرمسار نہ کر
چار سانسوں کا اعتبار نہ کر — اِس قدر زندگی کو پیار نہ کر
جو کسی سے وفا نہیں کرتی — ایسی دُنیا کا اعتبار نہ کر
لاکھ بھر آئے غم سے دِل تیرا — اپنی آنکھوں کو اشکبار نہ کر
اپنے افعال پر نگاہ رہے — خود کو اپنے سے شرمسار نہ کر
وقت دیتا نہیں کسی کا ساتھ — اُس کے آنے کا انتظار نہ کر
یہ تو انعام ہیں محبت کے — داغ دِل کے ابھی شمار نہ کر
دیکھ آلودۂ گُناہ نہ ہو — اپنے دامن کو داغدار نہ کر
یہ مشیّت کے کام ہیں ناداں — شکوۂ جبر و اختیار نہ کر

دِل پہ لگتی ہے چوٹ سی شنکرؔ
ذکرِ افسانۂ بہار نہ کر

ایسے شرمائے مرا دِل توڑ کر　　بات بھی کرتے ہیں وہ مُنہ موڑ کر
سختِ جاں رکھ دیگا خنجر توڑ کر　　مشورہ کر لیجیئے سر جوڑ کر
زندہ رہتا کون تجھ کو چھوڑ کر　　مر گئے لاکھوں یُونہی سر پھوڑ کر
تھا اصالت پر بہت اُس کو گھمنڈ　　ہم نے رکھ دی تیغِ قاتل توڑ کر
حشر میں تُجھ کو ہے یہ ہم سے اُمید　　حُور کو لے لیں گے تجھ کو چھوڑ کر؛
یہ دُعا کیسی کہ تو جیتا رہے　　آپ جب جاتے ہیں مُجھ کو چھوڑ کر
آسماں ٹُوٹے جو مُجھ پر کیا عجب　　تُم چلے اُمید میری توڑ کر
غیر کے پہلو میں مَیں دیکھوں تُمہیں　　بزم میں بیٹھا ہُوں آنکھیں پھوڑ کر
چار دن دُشمن سے نبھنے کی نہیں　　کہہ دیا ہم نے بھی یہ مُنہ پھوڑ کر
فصلِ گُل تھی جوش تھا اے آہ دِل　　پُھونک دینا تھا قفس کو توڑ کر

حضرتِ شنکر نے وہ لکھی غزل
رکھ دیا آخر قلم کو توڑ کر

دیکھ کر مُجھ کو کچھ ارشاد تو کر　　　تو مجھے بھُول گیا یاد تو کر

پہلے ہونٹوں کو مرے اُس نے سِیا　　　پھر ملا حُکم کہ فریاد تو کر

دِل مرا گھر ہے سُنا کرتا ہُوں　　　کبھی آ کر اِسے آباد تو کر

بے سبب ترکِ تعلّق کیسا　　　خوش ہُوں میں اس میں کہ برباد تو کر

مُفت ملتی ہیں دُعائیں کوئی　　　کِسی مایوس کا دِل شاد تو کر

عُمرِ جاوید ابھی سے کیسی　　　ختم اِس زیست کی میعاد تو کر

آئینہ میں ہُوں اُلٹ دے پردہ　　　مُجرمِ حُسنِ خدا داد تو کر

ہے روا پھر مری قُربانی بھی　　　پہلے تو دام سے آزاد تو کر

دِل بھی دے گا تجھے شنکر اپنا
پہلے ناشاد کو تو شاد تو کر

کہنے پہ مُحتسب کے نہ مَے کی دکان چھوڑ
پیرِ مغاں نہ اپنی وہ تو آن بان چھوڑ

دل میں رکھوں گا۔ دل کا لہُو بھی پلاؤں گا
آنکھوں سے تیرِ دل نشیں اے میری جان چھوڑ

ناصح تو اپنی راہ لے، یہ تُو نے کیا کہا
جس کو ترا خیال نہیں اُس کا دھیان چھوڑ

ہمدم، وہ دوست ہم کو کبھی بھُولتے نہیں
غُربت میں جا پڑے ہیں جو اپنے مکان چھوڑ

یہ چودھویں صدی ہے۔ قیامت قریب ہے
اہلِ زمیں سے کج روی اے آسمان چھوڑ

پس ماندگاں کے واسطے جو ہو چراغِ راہ
منزل پہ کوئی ایسا تو شنکر نشان چھوڑ

بھول کر آنکھ اُٹھ گئی تھی چشمِ پُرفن کی طرف
ہو گیا کم بخت دِل سا دوست دُشمن کی طرف

کیا کہوں صیّاد کیوں دیکھا تھا گُلشن کی طرف
برق چمکی تھی ابھی میرے نشیمن کی طرف

بُلبُلو! اب کھِل چکے غُنچے، ہُوئی رُخصت بہار
خاک سی اُڑتی نظر آتی ہے گُلشن کی طرف

صدقہ اِن شرمیلی آنکھوں کا مُجھے بھی دیکھ لو
جس ادائے ناز سے دیکھا تھا دشمن کی طرف

کہہ کے یہ بُلبُل کی آنکھیں پھوڑ دیں صیّاد نے
دیکھنا بھی جُرم ہے حسرت سے گُلشن کی طرف
کیا خبر کس دِل جلے کا جل رہا تھا آشیاں
کچھ دُھواں سا اُٹھ رہا تھا آج گُلشن کی طرف
اِنتہائے وسعتِ رحمت نہ پھر آئی نظر
دیکھا شنکرؔ نے جو اپنے تنگ دامن کی طرف

ابر اُٹھ کر جب کبھی آتا ہے گُلشن کی طرف
بڑھ کے آجاتے ہیں کانٹے میرے دامن کی طرف

بزمِ دُشمن میں زباں سے کس طرح روکیں مجھے
چُپکے چُپکے ہاتھ آجاتا ہے دامن کی طرف

بند تھی گُل کی زباں بھی، شمعِ بالیں بھی خموش
غور سے دیکھا کئے وہ میرے مدفن کی طرف

جو مقدّر میں نہ ہو اُس عیش کی پھر یاد کیا
مَیں قفس میں مُنہ نہیں کرتا ہُوں گُلشن کی طرف

تُو نہ گھبرا مَیں ہُوں واقف قتل کے آداب سے
ذکر کیا ہے خُوں جائے تیرے دامن کی طرف

دیکھ کر حالت مری، یہ کِس کے آنسو گِر پڑے
کِس نے یہ موتی بکھیرے میرے دامن کی طرف

فاتحہ پڑھنے میں کیا عہدِ وفا یاد آگیا
دیکھ کر وہ مُسکرائے میرے مدفن کی طرف

ہے بُہت شَنکرِ بہارِ زندگانی سے نفورؔ
ہم لیے چلتے ہیں اُس کو آج گُلشن کی طرف

ستم سے باز آئے گا نہ ظالم آسماں کب تک
غریبوں کے نشیمن پر گریں گی بجلیاں کب تک
گلستانِ جہاں میں آئیں گی یہ آندھیاں کب تک
ہوا میں مثلِ تنکوں کے اُڑینگے آشیاں کب تک
ازل سے بندہ یارب مُبتلائے آزمائش ہے
لیا جائے گا مُشتِ خاک کا اور امتحاں کب تک
تری آنکھیں کھُلیں گی کب تک اے خوابیدۂ غفلت
حجاباتِ نظر حائل رہیں گے درمیاں کب تک
ستم کی یہ نظر کب تک رہے گی میرے چہرے پر
رہیں آنکھوں سے میری خُون کے آنسو رواں کب تک

یہ اِک مُدّت سے سُنتے ہیں قیامت آنے والی ہے
یُونہی قائم رہیں گے یہ زمین و آسماں کب تک

قسم کھائی ہے تم نے تو مری فریاد سُننے کی
رسیُوں ہونٹوں کو، رکھوں بند میں اپنی زباں کب تک

مریضِ دردِ غم ہُوں پسلیاں اب ٹُوٹی جاتی ہیں
اجل تُو ہی بتا آئیں گی مُجھ کو ہچکیاں کب تک

نہ آیا ابرِ نیساں بن کے وہ، آنکھوں میں دَم آیا
لہُو دِل میں نہیں، آنکھیں رہیں گوہر فشاں کب تک

تواضع فرض ہے ناخواندہ مہماں کی بھی ؛ یہ مانا
تصوّر آپ کا ہو گا ہمارا پاسباں کب تک

نئی تہذیب کے پردے میں شنکر دیکھنا یہ ہے
اُڑیں گی دامنِ شرم و حیا کی دھجّیاں کب تک

نہ سمجھے گا وہ کافر میرا اعجازِ بیاں کب تک
زبانِ اشک سے دُہراؤنگا میں داستاں کب تک

سِتم ڈھائے گا ہم پر وہ بُتِ نامہرباں کب تک
خُدا جانے رہے گا وہ شریکِ آسماں کب تک

میرے حالِ زبُوں پر وہ کہاں تک مُسکرائیں گے
گریں گی قلبِ مُضطر پہ الٰہی بجلیاں کب تک

سکُوں کب تک نہ بخشیں گی قفس میں دھڑکنیں دِل کی
رکھے گا مُضطرب ہم کو خیالِ آشیاں کب تک

کہاں تک ٹھوکریں کھائیں تلاشِ دیر و کعبہ میں
تجھے ڈھُونڈا کریں ہم کارواں در کارواں کب تک

لبِ خاموش سے آخر بھڑک اُٹھیں گے کچھ شعلے
عیاں ہوگا نہ دُنیا پر میرا سوزِ نہاں کب تک

مٹا کر اپنی ہستی پالیا آخر اُنہیں ہم نے
وہ رہتے بھی تو رہتے اپنی آنکھوں سے نہاں کب تک

کرم فرمائیں گے کب تک ہوائے تُند کے جھونکے
میرے دِل کی طرح کانپے گی شاخِ آشیاں کب تک

کبھی تو انقلاب آئے گا دُنیائے محبّت میں
رہیں گے ہم تری فُرقت میں یُوں محوِ فغاں کب تک

مریضِ عشق کی اب کچھ مسیحائی بھی ہے لازم
جگر میں کروٹیں بدلا کرے یہ دردِ نہاں کب تک

محبّت اک نہ اک دن خُود اُنہیں مجبور کر دے گی
نہ پُوچھیں گے وہ شنکر مجھ سے میری داستاں کب تک

کیا بھروسہ ہو نا خدائی کا
یہ خدائی بھی ہے تلاطم تک

پاؤں کی خاک ہیں یہی ذرّے
یہی ذرّے ہیں ماہ و انجم تک

وہ جوانی کی نغمگی مت پوچھ
دِل کی دھڑکن میں تھا ترنّم تک

یُوں خوشی کے چمن میں لُوٹ پڑی
نہ بچا غُنچۂ تبسّم تک

ہجر کی شب بھی آہی جاتے ہیں
بلکہ ہو جاتا ہے تکلّم تک

زندگی وقفۂ فسُوں نکلی
اِک تلاطم سے اِک تلاطم تک

حالِ غم اُن سے کیا کہے شنکر
کام آجاتا ہے تبسّم تک

ہوتا نہیں کسی پہ اب غیر کا گماں تک
آنکھوں میں بس گئے ہیں جلوے ترے یہاں تک

ہستی کا نام کیسا، مِٹ جائے گا نشاں تک
دستورِ زندگی کو سمجھا ہُوں مَیں یہاں تک

طُولِ اَمل ہوا ہے افسانۂ غمِ دل
سُنتا بھی کوئی کب تک کہتے بھی ہم کہاں تک

شاید کرم سے اپنے خورشید بھی بنا دے
پُہنچا دیا ہے جس نے ذرّے کو آسماں تک

پھر کَون یُوں کہے گا افسانۂ محبّت
قصّہ ہی ختم سمجھو یہ میری داستاں تک

کچھ بجلیوں کا رُخ بھی پاتا ہُوں اپنی جانب
صیّاد کی نظر بھی آتی ہے آشیاں تک

اے ہمّتِ شکستہ تیرا ہی آسرا ہے
ہم کو نہ مِل سکے گی پھر گردِ کارواں تک

اُن سے بھی حالِ دِل کا ہم نے کہا نہ شکوہ
ایسے بھی راز ہیں جو آتے نہیں زباں تک

آسرا عشق کا ہے زیست بسر ہونے تک
موت آنے کی نہیں دردِ جگر ہونے تک

دیکھا کیا کچھ نہیں دُنیا سے سفر ہونے تک
سینکڑوں خواب نظر آئے سحر ہونے تک

کِس طرح رات خدا جانے اُسے یاد آیا
ہچکیاں آتی رہیں مُجھ کو سحر ہونے تک

ہوں گے برسوں میں ترقّی کے مدارج کہیں طے
صبر درکار ہے قطرے کو گُہر ہونے تک

پردہ داری کے طریقے کوئی ہم سے سیکھے
رازِ اُلفت نہ کھُلا عُمر بسر ہونے تک

مرنے والے کو ترے نیند ابھی آئی ہے
نام لے کر ترا رو یا تھا سحر ہونے تک

عشق کا سودا ہے سر میں، سرِ تسلیم ہے خم
در سے اُٹھے گا نہ ہر معرکہ سر ہونے تک

دیکھنا یہ ہے کہ رہتی بھی ہے گلشن میں بہار
میری آہوں میں دُعاؤں میں اثر ہونے تک

عشق کی آگ میں دن رات جلا کرتے ہیں ہم
شمع و پروانہ تو جلتے ہیں سحر ہونے تک

کیوں نہ ہنس بول کے اے شمع گزاریں ہم رات
تیری قسمت میں تو جلنا ہے سحر ہونے تک

فکرِ آلام و مصائب کی عبث ہے شنکر
ساتھ ہیں دم کے یہ دُنیا سے سفر ہونے تک

میں رہوں یا نہ رہوں تم کو خبر ہونے تک
رات کی رات ٹھہر جاؤ سحر ہونے تک

شمع نے پھونکے ہیں پروانے سرِ شام بہت
اور بھی آگ لگائے گی سحر ہونے تک

اُس کو شاکر تو نہیں کہتے کہ جو شکر کرے
زندگی راحت و عشرت میں بسر ہونے تک

پھر کہاں یہ شبِ مہتاب، یہ جلسے، رندو!
جام پر جام پیے جاؤ سحر ہونے تک

آتشِ عشق میں دل پارہ نہ بن کر اُڑ جائے
دل میں اُس شعلۂ جوّالا کے گھر ہونے تک

چارہ سازوں سے یہ کہہ دو کہ نہ بھیجیں قاصد
مَیں تو ہونے کا نہیں اُن کو خبر ہونے تک

آپ ہی مجھ کو بتا دیجئے اِس غم کا علاج
کیسے گزُرے گی عنایت کی نظر ہونے تک

خواب میں آ کے شبِ ہجر کہا یہ سُنکر
اور تکلیف اُٹھا لیجے سحر ہونے تک

خبر کیا ہے مجھے کس نے لیا دِل — تمہاری بزم میں کھویا گیا دِل

تمہیں دیں کس طرح سے ہم بھلا دِل — نہیں ہے یہ تمہارے کام کا دِل

تمہیں کو جانتے ہیں دین و ایماں — ہمارا جب سے تم پر آگیا دِل

ستم گر اُس کو کہتے ہیں ستم گر — کِسے افسوس ہم نے دے دیا دِل

تڑپتا چھوڑ کر مجھ کو گیا ہے — تجھے صد آفریں صد مرحبا دِل

ستم کی کیا کریں اُس سے شکایت — خوشی سے جبکہ ہم نے دے دیا دِل

شبِ فرقت کرونگا کس سے باتیں — اکیلا چھوڑ کر مجھ کو چلا دِل

اگر دشمن سے مِلنا ہے تو مِلئے — عنایت کیجئے مجھ کو مرا دِل

نہ ہوگی حشر تک شنکر رہائی
اگر زلفِ بتاں میں جا پھنسا دِل

تُم سا جو خُوب رُو کوئی پہلُو میں پائے دِل

کیوں کر خُوشی سے جامے میں اپنے سمائے دِل

دِل آشنائے غم ہُوا۔ غم آشنائے دِل

تُم سے کوئی نہ بھُول کے اپنا لگائے دِل

اُمّید ہو وفا کی مجھے تُم سے کِس طرح

بَر آیا آج تک نہ مرا مُدّعائے دِل

دِل چھین کر وہ ناز سے کہتے ہیں چُپ رہو

شور اپنی بے گُناہی کا کیونکر مچائے دِل

کیا خاک دِل لگی کا ہو باغِ جہاں میں لُطف
خُونِ جگر پیئے جو گُلوں سے لگائے دِل

میرا ہی تھا قصُور یہ میری ہی تھی خطا
افسوس تُم کو دے دِیا بے آزمائے دِل

بزمِ دنیا میں آج ہے شنکر یہ فیصلہ
اُس شوخ کا قصُور تھا یا تھی خطائے دِل

جو ہو آزردہ دِل، اُس کی دل آزاری سے کیا حاصل
بتا اے چرخ، آخر اس ستم گاری سے کیا حاصل

دُعائے نیم شب ہو، یا وہ ہو آہِ سحر گاہی
اثر ہی جب نہ ہو اس گریہ و زاری سے کیا حاصل

وہ آئے خواب میں، یعنی نصیبا خواب میں جاگا
مگر اے بختِ خُفتہ ایسی بیداری سے کیا حاصل

سر آنکھوں پر تری غم خواریاں اے ناصحِ مُشفق
مرا دِل جب نہ ٹھہرے تیری دِلداری سے کیا حاصل

تجھے کہتے نہ تھے ہم اے دِلِ ناز آفریں دیکھا
ہُوا اُس نازنیں کی ناز برداری سے کیا حاصل

نظر پڑتے ہی اُس آئینہ رُو پر ہو گیا بیخود
پھر اے شنکر تجھے آئینہ برداری سے کیا حاصل

بھرے ہیں بادۂ شبنم سے جامِ غُنچہ و گُل
کہاں ہیں آئیں پیئیں تشنہ کامِ غُنچہ و گُل
کبھی چمن میں جو تھے ہم کلامِ غُنچہ و گُل
قفس میں سُنتے ہیں اب وہ سلامِ غُنچہ و گُل
شگفتہ ہوتا ہے پژمُردہ دِل بھی دم بھر کو
کُچھ ایسا ہوتا ہے جاں بخش نامِ غُنچہ و گُل
بہارِ خُلد ہو یارب ہماری صُبحِ بہار
ہماری آنکھیں نہ اب دیکھیں شامِ غُنچہ و گُل
نہ بُلبُلوں کو سُنا تو قفس میں اے صیّاد
پیامِ موت بنے گا پیامِ غُنچہ و گُل

فریب خوردۂ رنگِ بہار جائے کہاں
بچھا ہوا ہے ہر اک سمت دامِ غنچہ و گُل

الٰہی باغِ سخن میں نہ اب تو آئے خزاں
ہوا ہے از سرِ نو اہتمامِ غنچہ و گُل

کھلیں نہ فرطِ مسرت سے کس لئے باچھیں
سُنا ہے حضرتِ شنکرؔ نے نامِ غنچہ و گُل

پروانہ سہی، رونقِ محفل تو نہیں ہم
پروردۂ صد ناز و نعم دِل تو نہیں ہم
ناکامیِ تدبیر تو ممکن ہے وگرنہ
محرومیِ تقدیر کے قائل تو نہیں ہم
ہو اپنی رسائی جو وہاں تک زہے قسمت
اُس بارگہِ حُسن کے قابل تو نہیں ہم
تیرِ نگہِ ناز سے تڑپا دیا فوراً
قاتل سے کہا تھا ترے بسمِل تو نہیں ہم
مانگی جو دُعا، آئیں ندائیں یہ فلک سے
نادان ترے حال سے غافل تو نہیں ہم

تنہائی میں جی اپنا بہل جاتا ہے تجھ سے
تو روٹھ گیا ہم سے جو اے دل، تو نہیں ہم
لائی کششِ عشق ہمیں آپ کے در تک
طالب ہوں کسی شے کے وہ سائل تو نہیں ہم
بُت خانے میں فرماتے تھے یہ حضرتِ شنکرؔ
اللہ، تری یاد سے غافل تو نہیں ہم

یہ تو نہ کہئے۔ غیر ہیں اچھے، بُرے ہیں ہم
اچھے ہیں یا بُرے ہیں۔ مگر آپ کے ہیں ہم

میرا فسانہ سُن کے وہ یہ ہنس کے کہہ گئے
تو غم کے واسطے ہے خوشی کے لئے ہیں ہم

لڑتے ہی آنکھ اُن سے دغا کیسی دے گیا
کم بخت دل کو بیٹھے ہُوئے رو رہے ہیں ہم

شنکر کسی نے مہر و وفا کی نہ قدر کی
یہ داغ اپنے دِل پہ لئے جا رہے ہیں ہم

عشق کی اتنی بڑھیں رعنائیاں — حُسن کو آنے لگیں انگڑائیاں

ایک وہ ہیں اور اُن کی انجمن — ایک میں ہوں اور مری تنہائیاں

یُوں نہ دیکھو عارضِ گُل رنگ کو — آئینے میں پڑ رہی ہیں جھائیاں

پھر اُبھر آتی ہیں چوٹیں عشق کی — پھر محبت کی چلیں پُروائیاں

اِس طرح آتی ہے دِل میں اُن کی یاد — دُور پر جیسے پڑیں پرچھائیاں

ابتدائی مرحلے وہ عشق کے
ہائے شنکر وہ مری رُسوائیاں

یہ تو دُنیا ہے یہاں بہلے ہمارا دل کہاں
اِس خرابے میں بھلا آرام کی منزل کہاں
ہر طرف سے دشت میں مجنُوں کو آتی تھی صدا
یہ بگولا ہے یہاں لیلیٰ کہاں محمل کہاں
چاہتا ہُوں راہِ اُلفت طے کروں مَیں سر کے بل
شوق کی ہو جب یہ حالت دُوریِٔ منزل کہاں
کشتیِٔ عمرِ رواں کا ناخُدا ہے دِل مرا
ہیں جوانی کی یہ سب مَوجیں ابھی ساحل کہاں
کوئی صُورت آنکھ میں جمنے نہیں پاتی ابھی
لے کے جاتا ہے مجھے دیکھوں فریبِ دل کہاں

اُس کی محفل سے نکل کر جستجو مقتل کی ہے
دیکھئے آسان ہوتی ہے مری مشکل کہاں
حکم تھا پہلے سکھا ہم کو محبت کے طریق
اب ہے یہ ارشاد تیرا سا ہمارا دل کہاں
وہ زمانہ اور ہی تھا یہ زمانہ اور ہے
حضرتِ شنکر سا کوئی عاشقِ کامل کہاں

مُجھ کو خود بھی کچھ نہ تھا اپنا پتا دو چار دِن

ایسا بھٹکا تا پھرا ہے رہنما دو چار دِن

اُن سے تو مَیں کر چکا ہوں اِلتجا دو چار دِن

اب خُدا سے وصل کی مانگوں دُعا دو چار دِن

اِس نزاکت کا بُرا ہو، رقصِ بسمل دیکھ کر

کہتے ہیں وہ سر مرا پھرتا رہا دو چار دِن

مرگِ دُشمن پر یُونہی ملتے رہے گر ہاتھ تُم

پھر تو قائم رہ چکا رنگِ حنا دو چار دن

میری کشتی ڈُوبتی ہے تو بلا سے ڈُوب جائے
کیا خدا بن کر رہے گا ناخُدا دو چار دن

فصلِ گُل آئی، قفس تیار ہے، اے عندلیب
اُڑ کھا لے تو بھی گُلشن کی ہوا دو چار دن

ترکِ اُلفت کی ابھی شنکر تمہیں جلدی ہے کیا
تُم ابھی دیکھو تو دُنیا کی ہوا دو چار دن

نالۂ شب میں مرے ہو نہ اثر، ناممکن
عرش کی لے نہ خبر آہِ سحر، ناممکن

ہو خطا اس کا کبھی تیرِ نظر، ناممکن
ہوں نہ زخمی مرے دل اور جگر، ناممکن

نخلِ اُلفت میں نہ اب آئے ثمر، ناممکن
گُل کھلائیں نہ مرے زخمِ جگر، ناممکن

جان دے کر بھی تو ہے فکرِ قیامت باقی
قیدِ غم سے جو ہو آزاد بشر، ناممکن

جاں بری موت کے پنجے سے ہو ممکن شاید
مرضِ عشق کا درماں ہے مگر، ناممکن

گُل کھلیں کیوں نہ ترے باغِ سخن میں شنکر
آدمی پائے نہ محنت کا ثمر، ناممکن

رو کر نہ میں لُٹاؤں جو گوہر تو کیا کروں
وہ بجلیاں گرائے جو ہنس کر تو کیا کروں
قسمت کی ہے خطا مرے ساقی کا کیا قصور
ہاتھ آ کے ٹُوٹ جائے جو ساغر تو کیا کروں
آنکھوں کو پھوڑ لُوں ؟ مجھے یہ تو بتاؤ تُم
آؤ نظر جو پردے میں چُھپ کر تو کیا کروں
دِل پہ جو تُم نے ہاتھ رکھا آگیا قرار
تڑپے جو پھر مرا دلِ مُضطر تو کیا کروں

سوچا تھا جان دے کے ملے ہجر میں نجات
آئے نہ موت بھی مری ضد پر تو کیا کروں

ناصح بجا کہ صبر مصیبت میں چاہیئے
دل میرا ہو نہ صبر کا خوگر تو کیا کروں

کہتے ہیں وہ رقیب سے۔ یہ تو بتا مجھے
آئے نظر جو خواب میں شب کو تو کیا کروں

سُنائی داستانِ غم، نہ کی آہ و فغاں برسوں
زباں ہوتے ہوئے مُنہ میں، رہا مَیں بے زباں برسوں

پھرے ہیں دیکھتے ہی دیکھتے دن خارزاروں کے
ہمارے ہی گُلستاں میں رہا دَورِ خزاں برسوں

نہیں مَیں کچھ، مگر روشن رہیں گے میرے سجدوں سے
تمہارے نقشِ پا برسوں، تُمہارا آستاں برسوں

کشش ایسی ہوئی پیدا ہے شنکر چار تنکوں میں
رہی برقِ تپاں، بن کر چراغِ آشیاں برسوں

خرد کی گتھیاں سلجھا رہا ہوں
جنوں کی سمت بڑھتا جا رہا ہوں

انہیں دل دے کے اب پچھتا رہا ہوں
سزا اپنے کیے کی پا رہا ہوں

چمن بنتے ہیں جو آہِ رسا سے
وہی آتش کدے بھڑکا رہا ہوں

کبھی شرمائے تھے مجھ سے دو عالم
اب اپنے آپ سے شرما رہا ہوں

جہاں کل بلبلیں تھیں نغمہ افشاں
عقابوں کے نشیمن پا رہا ہوں

مرا پیمانۂ ہستی نہ پوچھو
کبھی قطرہ کبھی دریا رہا ہوں

جنہیں دعویٰ ہے شنکر دوستی کا
میں اُن احباب سے کترا رہا ہوں

حال سب کے سامنے کیونکر کہوں
تم جو خلوت میں سنو، فرفر کہوں

شیشۂ دل میں شرابِ عشق ہے
دل کو کیوں ٹوٹا ہوا ساغر کہوں

حور وشِ ساقی کی خاطر کیوں نہ میں
بادۂ انگور کو کوثر کہوں

پوچھتی ہے چشمِ دلبر حالِ زار
تو بتا کیا اے دلِ مضطر کہوں

شیشۂ دل کر دیا جب چور چور
تجھ سے کیا اے سنگدل پتھر کہوں

عشقِ صادق ہے وفا کا پاس ہے
رازِ الفت کیا کہوں کیونکر کہوں

دل میں چبھ جاتے ہیں شنکر تیرے شعر
تیر سمجھوں یا انہیں نشتر کہوں

وہ ہر سُو جلوہ گر ہے اور مَیں ہُوں
مرا ذوقِ نظر ہے اور مَیں ہُوں

فزوں سوزِ جگر ہے اور مَیں ہُوں
تلاشِ چارہ گر ہے اور مَیں ہُوں

مِٹانا ہے یہیں قسمت کا لکھّا
تمہارا سنگِ در ہے اور مَیں ہُوں

بنا رکھی ہے اُمّیدوں کی دُنیا
اِک آہِ بے اثر ہے اور مَیں ہُوں

سرِ منزل کبھی پہنچا ہی دے گا
مرا عزمِ سفر ہے اور مَیں ہُوں

چُھپاؤں کِس طرح رازِ محبّت
نگاہِ پردہ در ہے اور مَیں ہُوں

کہاں تک طُول کھینچے گی تمنّا
حیاتِ مختصر ہے اور مَیں ہُوں

دو عالم سے نگاہیں پھیر لی ہیں
ترے رُخ پر نظر ہے اور مَیں ہُوں

وفا کی آرزُو ہے اُن سے شؔنکر
یہی اِک دردِ سر ہے اور مَیں ہُوں

یاد بھولے ہُوئے کچھ خوابِ پریشاں کر لیں
آج جاتی ہُوئی دُنیا کو بھی مہماں کر لیں

ہم کو وحشت میں بھی اکثر یہ خیال آتا ہے
چاک ہو جائے جو دامن تو گریباں کر لیں

تجھ سے ہو جائے اگر مہر و وفا کی اُمّید
ہم تو سجدہ بھی تجھے دُشمنِ ایماں کر لیں

بخت برگشتہ، خفا تُم ہو، زمانہ دُشمن
کوئی مُشکل نہیں ایسی جسے آساں کر لیں

مرنے والا تو ہوا دفن تمنّاؤں کے ساتھ
آپ زُلفوں کو سنواریں کہ پریشاں کرلیں

یہ خبر سُن کے تو دشمن بھی چلے آئے ہیں
مرنے والے پہ ذرا آپ بھی احساں کرلیں

دردمندوں سے تو خالی ہے خدائی شنکر
کون ہے کِس کو شریکِ غمِ پنہاں کرلیں

اِس قدر تسکین تمہاری یاد سے پاتا ہُوں مَیں
سرحدِ ادراک و امکاں سے گزر جاتا ہُوں مَیں
آپ سچ مانیں، بمشکل ہوش میں آتا ہُوں مَیں
چشمِ میگوں سے کسی کی اِتنی پی جاتا ہُوں مَیں
آپ کے ہوتے مجھے دَیر و حرم سے کام کیا
ہر جگہ سے بے نیازانہ گزر جاتا ہُوں مَیں
حال پہ میرے نظر ڈالو تو مَیں کچھ بھی نہیں
پھر بھی اپنے قصۂ ماضی کو دوہراتا ہُوں مَیں
کل تو حق گوئی کی خاطر دار کی مَیں نے قبول
آج سچ کہتے ہُوئے ڈرتا ہُوں گھبراتا ہُوں مَیں

ہر قدم راہِ طلب میں مَیں سنبھلتا ہی رہا
دیکھنے والے یہ سمجھے ٹھوکریں کھاتا ہُوں مَیں

میری مدہوشی و ہُشیاری کا افسانہ یہ ہے
بار ہا کھوتا ہُوں اُس کو بار ہا پاتا ہُوں مَیں

اب تو غم کھانے کی عادت ہوگئی شنکرؔ مجھے
واقعاتِ زندگی کچھ بھُولتا جاتا ہُوں مَیں

جلوؤں میں گُم متاعِ نظر دیکھتا ہُوں مَیں
کُچھ دیکھتا نہیں ہُوں ، مگر دیکھتا ہُوں مَیں

حُسنِ کمالِ جذبِ نظر دیکھتا ہُوں مَیں
اب تجھ کو دیکھتا ہُوں جِدھر دیکھتا ہُوں مَیں

تُم آفتاب بن کے نگاہوں میں آگئے
اب ہر طرف سحر ہی سحر دیکھتا ہُوں مَیں

ہر شے میں پا رہا ہُوں متاعِ جمالِ دوست
ہر روشنی کو جُزوِ نظر دیکھتا ہُوں مَیں

میرا مذاقِ دید زمانے سے ہے جُدا
کوئی اُدھر نہیں ہے جدھر دیکھتا ہُوں مَیں

آہٹ پہ کان، جانبِ درچشمِ انتظار
یُوں راہ تیری آٹھ پہر دیکھتا ہُوں مَیں

سب کی نگہ سے دُور۔ خیال و گماں سے دُور
جلوہ ترا بطرزِ دِگر دیکھتا ہُوں مَیں

خوشی سے بارِ محبت اُٹھا رہا ہوں مَیں
ہزار غم ہیں مگر مسکرا رہا ہوں مَیں

اُنہیں پیامِ محبت سُنا رہا ہوں مَیں
خود اپنی راہ میں کانٹے بچھا رہا ہوں مَیں

مری نظر میں ہے بے سُود فکرِ سُود و زیاں
نہ کھو رہا ہوں یہاں کچھ، نہ پا رہا ہوں مَیں

غمِ فراق کا حاصل ہے گریۂ پیہم
اسی سے دل کی لگی کو بجھا رہا ہوں مَیں

وہ آ رہے ہیں، وہ آئیں گے، وہ نہیں آتے
یہی وہ خواب ہے جو دیکھتا رہا ہوں مَیں

ہر ایک فکر سے دیوانہ بن کے چھوٹ گیا
کچھ ایسے راز ہیں جن کو چھپا رہا ہوں میں

رہِ وفا میں یہ کیسا مقام آیا ہے
مرے قدم ہی نہیں، ڈگمگا رہا ہوں میں

ہر ایک نقشِ قدم پہ ہے سجدۂ تعظیم
یہی ہے پاسِ ادب، سر جھکا رہا ہوں میں

یہی تو عشق کے راز و نیاز ہیں شنکرؔ
وہ مجھ سے رُوٹھ رہے ہیں منا رہا ہوں میں

شوخی ہے حیا ہے نگہِ ہوش رُبا میں
انداز قیامت کے ہیں ہر ایک ادا میں

اعجاز دکھا تو ہی اب اے جذبۂ اُلفت
آہوں میں اثر ہے نہ ہے تاثیر دُعا میں

اِک وہ ہے سِتم گر کہ ہے مشہور جفاکار
اِک ہم ہیں کہ بدنام ہُوئے مہر و وفا میں

قُربان کیے گوہرِ نایاب بھی اُن پر
وہ اشک کے قطرے جو بہیں یادِ خُدا میں

اِک بوسہ بھی دِل لے کے نہیں آپ تو دیتے
سر دیتے ہیں مردانِ خُدا راہِ خُدا میں

کملائے ہوئے دِل کی کلی تازہ ہو کیونکر
اتنا بھی اثر اب نہیں گلشن کی ہوا میں

یہ لغزشیں، یہ کیف، یہ مستی شباب میں
ڈوبے ہوئے ہو تم تو سراپا شراب میں
تم لاکھ اہتمام کرو، لاکھ مُنہ چھپاؤ
جلوے مگر ٹھہر نہیں سکتے نقاب میں
اپنی نہیں ہے فکر، مگر یہ خیال ہے
تم کو نہ بھول جاؤں کہیں اضطراب میں
ہوتا نہیں ہے ہوش میں دیدارِ حُسنِ دوست
ملتی نہیں ہے خواب کی تعبیر خواب میں

بڑھ جائیں گی کچھ اور تجلّی کی تابشیں
میری نظر کے تار ملا لو نقاب میں

اُٹھنے لگیں زمانے کی نظریں مری طرف
مَیں نے یہ کِس کا نام لیا اضطراب میں

شنکر مجھے ہیں اس لئے بے تابیاں عزیز
وہ جلوہ گر ہیں آئینۂ اضطراب میں

ہے خاک زندگی کا مزا ہجرِ یار میں
دِل اختیار میں ہے نہ موت اختیار میں

کیا کوئی گُل کھِلا چمنِ روزگار میں
کانٹا کھٹک رہا ہے دلِ داغدار میں

سب کو بقدرِ ذوقِ نظر ملتے ہیں جواب
کیسا عجیب رنگ ہے تصویرِ یار میں

ہنس ہنس کے میرے زخموں میں بھرتے ہو کیوں نمک
رو رو کے پھر یہ رنگ نہ لائیں بہار میں

ایک ایک پھُول تلووں سے مَسلا جو یہ کہا
میرا بھی دِل ہے آپ کے پھُولوں کے ہار میں

اب ہے خزاں کا دَور، نہ شنکرؔ یہ ہم سے پُوچھ
پھُولوں پہ کیا بہار تھی فصلِ بہار میں

چھُری پھیرے، نہیں اِتنی سکت بازوئے قاتل میں
اِدھر آنکھوں میں دم ہے جان ہے بِسمل کی مُشکل میں

لیا انگڑائی لے کر، تیر جب چُٹکی میں قاتل نے
ہنسی زخموں کو آئی۔ گدگدی ہونے لگی دِل میں

بشر کیسا، فرشتہ بھی ہو تیغِ ناز سے بِسمل
خُدا رکھے، وہ ہیں بانکی ادائیں میرے قاتل میں

صدائے درد، خنجر اور نشتر بن کے چُبھتی ہے
اگر کی آہ دُشمن نے لگی برچھی مرے دِل میں

پئیں گے جامِ مے، ہنس بول کر کچھ غم غلط ہوگا
چل اے زاہد تجھے ہم لے چلیں رِندوں کی محفل میں

مثل مشہور ہے یہ دِل کو دِل سے راہ ہوتی ہے
سمجھ لو، سوچ لو تُم آپ ہی، کیا ہے مرے دِل میں

یہ برقِ حُسن ہے تُم غش نہ کھانا، ہم نہ کہتے تھے
نہ بیٹھو بن سنور کر آئینہ رکھ کر مقابل میں

شکستِ توبہ کا الزام کیوں ہے بادہ خواروں پر
سجا رکھے ہیں کیوں جام و سبُو ساقی نے محفل میں

یہ ہے بُلبُل کا دِل، گُل کو نہ مل چُٹکی سے اے شنکر
ذرا سُن کِس بلا کا درد ہے شورِ عنادل میں

کیا بتاؤں تمہیں ارمان ہیں کیا کیا دِل میں
آرزوؤں کی اِک آباد ہے دُنیا دِل میں

جلوہ گر ہے جو تری صُورتِ زیبا دِل میں
شعلۂ طُور سے بڑھ کر ہے اُجالا دِل میں

آبِ رحمت ہی بُجھائے تو بُجھائے اِس کو
عِشق کی آگ ہے اے رشکِ مسیحا دل میں

ایک پژمُردہ کلی پہ جو پڑی میری نظر
ایک بجلی سی گری چھِد گیا کانٹا دِل میں

اُس کا دیدار بھی اب دیکھئے ہوگا کہ نہیں
ولولے اور اُمنگیں تو ہیں کیا کیا دِل میں

آہیں لب پہ نہیں، آنکھوں میں نہیں ہیں آنسو
موجزن رہتا ہے اِک عشق کا دریا دل میں

یہ وہ کانٹا ہے کہ ہوں جس پہ بہاریں صدقے
گُلشنِ عشق کا ہے خارِ تمنّا دِل میں

بند آنکھیں کئے رہتے ہیں جو ہیں اہلِ نظر
دیکھتے ہیں تیری قُدرت کا تماشا دِل میں

اے خُدا یاد سے تیری نہیں غافل شؔاکر
نام لیکن وہ چھپا کرتا ہے تیرا دِل میں

سراپا بے بسی ہے، کون سی طاقت ہے انساں میں
نہ جینا اِس کے امکاں میں نہ مرنا اِس کے امکاں میں

مَیں کب خاطر میں لاتا ہُوں زمانے کے حوادث کو
وہ قطرہ ہُوں کہ جس نے پرورش پائی ہے طُوفاں میں

اجل جب انگلیاں رکھتی ہے میرے سازِ ہستی پر
محبّت رُوح بن کر رقص کرتی ہے رگِ جاں میں

یہی دو چار تنکے زینتِ گُلزارِ عالم تھے
جلا جب سے نشیمن خاک اُڑتی ہے گُلستاں میں

جنُونِ فتنہ ساماں، وہ جنُونِ فتنہ ساماں ہے
قدم رکھتا ہُوں مَیں گھر میں تو پڑتا ہے بیاباں میں

مآلِ عالمِ ہستی کو سمجھے ہیں وہی شنکر
اُڑاتے خاک پھرتے ہیں جو دیوانے بیاباں میں

فصلِ گُل آئی ہے اِک جوش ہے دیوانوں میں
ہاتھ دامن سے چلے آئے گریبانوں میں

ہائے وہ درد جو ملتا نہیں اِنسانوں میں
ذکر موجُود ہے اُس کا ابھی افسانوں میں

رُوح پھُونکی ہے نئی حُسن کے دیوانوں میں
شمع نے آگ لگا رکھی ہے پروانوں میں

کیف و مستی سے لرزتی ہُوئی دُنیا زاہد
ہم نے دیکھی ہے چھلکتے ہوئے پیمانوں میں

میری رُوداد محبّت ہے کہانی تو نہیں
یہ عبارت بھی لکھی جائے گی افسانوں میں

پارسائی کی حدوں سے نہ گزرنے والے
روز ملتے ہیں بہکتے ہوئے مے خانوں میں
نام باقی ہے محبت کا محبت تو نہیں !
اب یہ اپنوں ہی میں ملتی ہے نہ بیگانوں میں
زُہد و تقویٰ پہ جنہیں ناز تھا اپنے شنکر
سر جھکائے نظر آتے ہیں صنم خانوں میں

مُدت خوشی کی دیکھی بجلی کی اِک ہنسی میں
لاکھوں برس کے غم ہیں دو دِن کی زندگی میں

ہم کو انہیں سے مِل کہ اپنا پتہ ملے گا
سائے کو ڈھونڈنا ہے شعلے کی روشنی میں

تلخی ہی میں تو مے کی پنہاں ہے مے کی لذت
احساسِ عیش کیا ہو غم ہو نہ گر خوشی میں

آنے کا ایک دِن ہے جانے کا ایک دِن ہے
رکھا ہی اور کیا ہے دو دن کی زِندگی میں

ظالم کو کہہ کے ظالم ضِد اور بھی دِلا دی
نشتر چبھو رہے ہیں شکوہ ہنسی ہنسی میں

اب نہیں شکوہ مقدّر سے ہمیں
مِل گیا سب کچھ ترے در سے ہمیں

خاکساری پر گری برقِ ستم
یہ مِلا چرخِ ستمگر سے ہمیں

ہر گھڑی رہتا ہے نشّہ عشق کا
کیا غرض مینا و ساغر سے ہمیں

بیٹھے بیٹھے آگیا کِس کا خیال
وحشتِ دل لے چلی گھر سے ہمیں

قتل کر دیں ابروئے خمدار سے
کیوں ڈراتے ہیں وہ خنجر سے ہمیں

دِل کے مِٹنے کا نہیں غم تو یہ ہے
رنج پہنچے اپنے دِلبر سے ہمیں

دیکھ لو بس اِک نگاہِ ناز سے
مے پلاؤ تم نہ ساغر سے ہمیں

پھر تصدّق پھر فدا ہو جائیں گے
تم جِلا دو گے جو ٹھوکر سے ہمیں

آج تو کچھ بُتکدے کا عزم ہے
حالِ دِل کہنا ہے شنکر سے ہمیں

ناصحِ مُشفق، نہیں باور ہمیں / باوفا کوئی مِلے دِلبر ہمیں

چُھپ گیا پردے میں وہ پردہ نشیں / ٹھوکریں کھانی پڑیں دَر دَر ہمیں

خیر ہو، پھر جانبِ کُوئے بُتاں / لے چلا ہے پاؤں کا چکر ہمیں

ابرِ رحمت سے برستی ہے شراب / ساقیِ گُلفام دے ساغر ہمیں

غُنچہ و گُل باغ میں ہنس ہنس کے اب / آبدیدہ کرتے ہیں اکثر ہمیں

لے گئے دِل وہ، ہمیں صبر آگیا / مِل گیا نعم البدل بہتر ہمیں

دیکھ لو مخمور آنکھوں سے ذرا / نشّہ ہو جاتا ہے مَے پی کر ہمیں

ہم پیالہ تھے جو میخانے میں کل
آج مسجد میں مِلے شنکر ہمیں

روٹھ جائے وہ مہ جبیں نہ کہیں ۔۔۔ لب پہ آ جائے پھر نہیں نہ کہیں

ہم نے دُنیا کو چھان مارا ہے ۔۔۔ تجھ سا دیکھا مگر حسیں نہ کہیں

تیری جانب سے مجھ کو کھٹکا ہے ۔۔۔ غیر ہو جائے دل نشیں نہ کہیں

شکوہ دُشمن کا کرتے ڈرتا ہوں ۔۔۔ ہو وہی مارِ آستیں نہ کہیں

دِل کو میرے چُرا کے لے جائے ۔۔۔ وہ بُتِ سحر آفریں نہ کہیں

یہ نہ کہیے کسی سے اُلفت ہے ۔۔۔ کھائیں دھوکا یہاں ہمیں نہ کہیں

مُدعا دِل کا کیا کہیں اُس سے ۔۔۔ ہم سے بگڑے وہ نازنیں نہ کہیں

دِل کسی بُت کے دِل سے مِلتا ہے ۔۔۔ ایک ہو جائیں کُفر و دیں نہ کہیں

شعر کہنا سمجھ کے اے شنکر

کوئی مِل جائے نکتہ چیں نہ کہیں

ہم اُن کو اپنی محبّت جتائے جاتے ہیں
وہ بات بات کا پہلو بچائے جاتے ہیں

ہم اپنے درد کا قصّہ سُنائے جاتے ہیں
وہ سر جُھکائے ہُوئے مُسکرائے جاتے ہیں

کِیا تھا عہدِ وفا کا جنہوں نے کل ہم سے
وہ آج بزم میں آنکھیں چُرائے جاتے ہیں

سِتم ظریفی و شوخی ہے آپ کی خصلت
ہمیں بُلا کے عدُو بھی بُلائے جاتے ہیں

دکھا دکھا کے جھلک اپنے رُوئے روشن کی
دِلوں پہ حُسن کا سِکّہ جمائے جاتے ہیں

بنا ہوا تھا کبھی دِل مرا بھی راہگذر
یہاں بھی نقشِ قدم اُن کے پائے جاتے ہیں
خطا ہو غیر کی جب بھی سزا مجھی کو ملے
ہے مجھ پہ زور مجھی کو دبائے جاتے ہیں
ہے اِک جہانِ تمنّا یہ دِل نہیں میرا
کہ اس میں سینکڑوں ارمان پائے جاتے ہیں
اب ان کا راہ پہ آنا مُحال ہے شنکر
کہ بوالہوس اُنہیں پٹّی پڑھائے جاتے ہیں

اِنہیں چلتے ہُوئے جادُو غضب کے یاد ہوتے ہیں
حسیں دِل کے اُڑانے میں بڑے اُستاد ہوتے ہیں

ہُوا معلُوم ہم کو دِل لگا کر نازنینوں سے
بڑے سفّاک ہوتے ہیں بڑے جلّاد ہوتے ہیں

تمیزِ رنگ و بُو کیا، اِمتیازِ خار و گُل کیسا
اسیرانِ چمن اِس قید سے آزاد ہوتے ہیں

مثل مشہُور ہے یہ، عشق نے لاکھوں کے گھر گھالے
محبّت میں ہزاروں خانماں برباد ہوتے ہیں

یہی غم ہے کہ مُدت زندگی کی بڑھتی جاتی ہے
یہی ہے فکر، قیدِ غم سے کب آزاد ہوتے ہیں
جو بندے ہیں ہوس کے، امتحاں لیتے ہو کیا اُن کا
سبق مہر و وفا کے عاشقوں کو یاد ہوتے ہیں
خوشی لکھی ہوئی ہے کیا مرے ماتھے پہ اے شنکر
خُدا جانے وہ مجھ کو دیکھ کر کیوں شاد ہوتے ہیں

زمانے سے نرالے ہیں، نرالا کام کرتے ہیں
سوالِ وصل سُن کر ہاتھ وہ کانوں پہ دھرتے ہیں
مری جانب اشارہ کر کے وہ کہتے ہیں غیروں سے
ذرا صُورت تو ان کی دیکھیئے یہ ہم پہ مرتے ہیں
بہانہ ڈھونڈتے ہیں کیا خبر وہ کب بگڑ بیٹھیں
انُہیں ہم چھیڑ تو دیں لیکن اِس آفت سے ڈرتے ہیں
تعجب کیا ہے گر شیرازۂ عالم پریشاں ہو
کسِی کی زُلف کے بال آج شانوں پر بکھرتے ہیں

چھپاؤ لاکھ تُم اپنے کو، ہم سے چھُپ نہیں سکتے
ہم اپنا دِل، تصوّر سے تُمہارے، شاد کرتے ہیں
تُمہیں ہے خوفِ رُسوائی ہمارا دم نِکلتا ہے
جو مِلنا ہے تو مِل جاؤ کہ ہم جی سے گذرتے ہیں
بِلا تقصیر ہو جاتے ہیں وہ مجھ سے خفا شنکر
رقیبِ رُوسیہ جا جا کے اُن کے کان بھرتے ہیں

شرم و شوخی سے کام لیتے ہیں
پھیر کر مُنہ سلام لیتے ہیں

اُن کی آنکھوں سے مے چھلکتی ہے
ہاتھ میں جب وہ جام لیتے ہیں

ہے کوئی اور آپ کا شیدا
آپ کیوں میرا نام لیتے ہیں

اُن کے نالوں سے عرش ہلتا ہے
بے کسی سے جو کام لیتے ہیں

اُن کے لب پر تبسّم آتا ہے
جب کبھی میرا نام لیتے ہیں

جانِ عشّاق کی ترے وعدے
صُبح لیتے ہیں شام لیتے ہیں

زُلف و گیسو میں جو اسیر ہُوئے
چَین کب زیرِ دام لیتے ہیں

تجھ کو اُلفت کی قدر کیا زاہد
عشق یہ عالی مقام لیتے ہیں

خُشک ہوتا ہے شاعروں کا لہُو
لوگ لُطفِ کلام لیتے ہیں

عاشقی اور حضرتِ شنکر
مُفت کا اِتہام لیتے ہیں!

محفل میں جو عاشق بیٹھے ہیں مستانے بنتے جاتے ہیں
مخمور نگاہوں کے ساقی پیمانے بنتے جاتے ہیں

یہ جوشِ نمو دیکھا تو نے کچھ دیدۂ حیراں سوچا بھی
ہے فصلِ بہار اب آنے کو دیوانے بنتے جاتے ہیں

کیوں رازِ محبت اُن سے کہوں، کیوں جان کے پیچھے اپنی پڑوں
وہ سوچ سمجھ کر آخر کو بیگانے بنتے جاتے ہیں

سودائے محبت زُلفوں کا دُنیا کے لئے ہے تیغِ بلا
دِل چاک جو ہوتے جاتے ہیں وہ شانے بنتے جاتے ہیں

دُنیا میں کوئی برباد ہُوا، دُنیا میں کوئی آباد ہُوا
اللہ رے وسعت دُنیا کی کاشانے بنتے جاتے ہیں

دُنیا میں ہوائے عشق چلی۔ مُرجھا گئی سب کے دِل کی کلی
جو عاقل تھے فرزانے تھے دیوانے بنتے جاتے ہیں

کیا داد کوئی دے شنکر کو مدہوش ہیں سب محفل والے
جو لفظ زباں سے نِکلے ہیں میخانے بنتے جاتے ہیں

اُس کی آنکھوں کے یہ اشارے ہیں
بے سہاروں کے ہم سہارے ہیں

پاس کوئی سوائے یاس نہ تھا
ہم نے ایسے بھی دن گزارے ہیں

کچھ یہ نالے دِکھائیں گے تاثیر
کچھ اِن آہوں نے تیر مارے ہیں

بے تُمہارے اُداس ہے دُنیا
کِتنے بے کیف یہ نظارے ہیں

جب بھی مایُوسیوں نے گھیرا ہے
بارہا ہم تُمہیں پُکارے ہیں

جن کو موجیں سمجھ رہے ہیں سب
یہ تو طُوفاں کے تیز دھارے ہیں

عقل و ہوش و حواس و صبر و قرار
عشق میں سب کے سب سہارے ہیں

وہ تو مالک ہیں اپنی مرضی کے
ہم سمجھتے ہیں وہ ہمارے ہیں

نیند کیسی فراق میں شنکرؔ
ڈُوب جانے کو اب ستارے ہیں

یہاں سے وہاں تک جو رُسوائیاں ہیں
محبّت کی سب کارفرمائیاں ہیں

نہ دِل سوز ہیں بُلبُلوں کے ترانے
نہ پھُولوں پہ پہلی سی رعنائیاں ہیں

گزاریں ہم اختر شماری میں راتیں
وہ ہیں، غیر ہیں، محفل آرائیاں ہیں

دُعائیں اگر عرش تک بھی نہ پہنچیں
عبث مسجدوں میں جبیں سائیاں ہیں

نہ ہم بھُول کر عشق کا نام لیتے
جو ہوتی خبر ایسی رُسوائیاں ہیں

مِلے باغباں تو یہ ہم اُس سے پوچھیں
یہ کِس کے لئے گُلشن آرائیاں ہیں

نظر صُورتیں آ رہی ہیں جو شنکر
یہ دُنیا کے پردے پہ پرچھائیاں ہیں

شانِ یکتائی میں شامل دُوسرا ہوتا نہیں
جب وہ ہوتے ہیں خیالِ ماسوا ہوتا نہیں
میرے مذہب میں وہاں سجدہ روا ہوتا نہیں
جس جگہ موجود اُن کا نقشِ پا ہوتا نہیں
مَیں سمجھتا ہُوں بہارِ زندگی کو بے خزاں
اِتنا خوش فہمی میں کوئی مُبتلا ہوتا نہیں
یُوں تو گُلشن میں بہاروں پر بہار آتی رہی
دِل پریشاں ہو تو جینے میں مزا ہوتا نہیں
مُضطرب رکھتی ہیں مُجھ کو دِل کو تڑپاتی بھی ہیں
شُکرِ اِن بانکی اداؤں کا ادا ہوتا نہیں

اِک ہجُومِ آرزُو و حسرت و ارمان و یاس
تُم نہیں ہوتے تو میرے پاس کیا ہوتا نہیں

اُس کا طُوفاں کے تھپیڑوں پر نہیں ہے اختیار
یُوں ڈبو دینا مذاقِ ناخُدا ہوتا نہیں

آدمی تو کہہ نہیں سکتے اُسے پھر کیا کہیں
جس کے پہلُو میں دلِ درد آشنا ہوتا نہیں

مُدّتیں گذریں کہ ہے افسُردگی چھائی ہُوئی
اِنقلاب اب دِل کی دُنیا میں بپا ہوتا نہیں

ظُلم کی ظالم کو جب تک مِل نہیں جاتی سزا
یہ سمجھتا ہے غریبوں کا خُدا ہوتا نہیں

کِتنی پُر اسرار ہے شنکر رہِ مُلکِ عدم
جانے والوں کا کہیں اِک نقشِ پا ہوتا نہیں

کہاں کہاں تری رنگینیٔ شباب نہیں
مرا مذاقِ نظر پھر بھی کامیاب نہیں

کسی نظر میں تمہیں دیکھنے کی تاب نہیں
نقابِ رُخ بھی اُلٹ دو تو بے نقاب نہیں

وہ سُن کے عرضِ تمنّا کو ہو گئے خاموش
مرے سوال کا شاید کوئی جواب نہیں

کچھ اور مست نگاہوں سے دیکھ اے ساقی
بقدرِ ظرف ابھی نشّۂ شراب نہیں

بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگا گئے ہیں یہاں
یہ امتحان کا اِک دَور ہے شباب نہیں

خموشں بیٹھے ہیں جو پی چکے ہیں خم کے خم
بہک رہے ہیں جو آلودۂ شراب نہیں

تمہاری حسرتِ دیدار برقرار رہے
ہزار سال بھی گزریں تو کچھ حساب نہیں

لگی ہوئی ہیں تمہاری طرف مری آنکھیں
مری نظر میں زمانے کا انقلاب نہیں

کھلی ہوئی ترے آنے کے اِنتظار میں ہیں
خوشا نصیب وہ آنکھیں جو محوِ خواب نہیں

مَیں اپنے دوست سے کیا مجتنب ہوں اے آشکر
مجھے تو اپنے عدو سے بھی اجتناب نہیں

وہ کون ہے جو ہلاکِ غمِ حیات نہیں
کسے نصیب ہے وہ دن کہ جس کی رات نہیں

سکونِ دِل کے لئے کیوں تڑپ رہا ہوں میں
اُسے قرار کہاں ہے جسے ثبات نہیں

کِسی سبب کا نہیں ہے ترا کرم محتاج
کچھ اِس لئے تو تری چشمِ التفات نہیں

رہے نہ ہوش میں کیا دیکھ کر جنابِ کلیم
سُنا ہے میں نے تجلّیٔ صِفت ہے ذات نہیں

جو آج آیا ہے کل باندھ لے گا رختِ سفر
بہت طویل تو افسانۂ حیات نہیں

یہ کیا ہوا کہ زمانہ ہے مجھ سے برگشتہ
پھری ہوئی تو تری چشمِ التفات نہیں

جو عمرِ خضر بھی پا کر جیئے تو خاک جیئے
تری تلاش اگر مقصدِ حیات نہیں

وفورِ غم میں خوشی کو ترس گیا شنکرؔ
مگر یہ آپ کے نزدیک کوئی بات نہیں

آ بھی جائیں وہ تو کیا ہے؛ دید کی طاقت نہیں
رشک قائل ہو تو بچنے کی کوئی صورت نہیں

یہ اثر ہے عشق کا؛ نیرنگ یا جلوے کا ہے
آئنے میں دیکھتا ہوں وہ مری صورت نہیں

کیسے وہ تیر بھر ہوئے ہیں جب ہنسی میں کہہ دیا
دل دیا ہے میں نے جس کو؛ یہ تو وہ صورت نہیں

ہم کو کہنا ہی پڑا رنگِ زمانہ دیکھ کر
اب دلِ پژمردہ میں باقی کوئی حسرت نہیں

حُسن ہی ایسا مِلا ہے جس سے ششدر ہے ہر آنکھ
مجھ پہ تم ہنستے ہو کیا آئینے کو حیرت نہیں

ہم نوائی طائرِ سدرہ سے شکر ہے بجا
کون کہتا ہے تخیّل میں ترے نُدرت نہیں

اگرچہ دِل پہ مجھے اپنے اختیار نہیں
مگر یہ کیسے کہوں مَیں قصور وار نہیں

وہ فاتحہ کو سرِ شام آنے والے ہیں
چراغ آج بھی روشن سرِ مزار نہیں

وہ کاش توڑ کے بازُو مجھے رہا کرتا
کیا ہے قید سے آزاد جب بہار نہیں

ہُوئی نہ وصل کی وعدے پہ ہاں قیامت تک
زباں سے اُس کے جو نکلی تھی ایک بار نہیں

کسی کے وعدے کا کیوں کر یقین آ جائے
کہ اپنے دِل کا بھی اب مُجھ کو اعتبار نہیں

شگفتہ ہو دِل پژمُردہ کس طرح شنکرؔ
وہ بُلبُلیں نہیں گُلشن میں وہ بہار نہیں

چمن چمن ہی نہیں ہے جو لالہ زار نہیں
ہم اُس کو دِل نہیں کہتے جو داغدار نہیں
مَیں چل رہا ہُوں زمانے کے ساتھ ساتھ مگر
فضا زمانے کی پھر بھی تو سازگار نہیں
رقیب جھُوٹ کہے گا تو سچ سمجھ لوگے
کہیں گے سچ بھی اگر ہم تو اعتبار نہیں
مَیں اُن کے حُسن کو اِلزام دینے والا کون؟
جب اپنے دِل پہ مجھے خود ہی اختیار نہیں
اب اَور دیکھیے توہینِ عشق کیا ہو گی
وہ کہہ رہے ہیں ہمیں تیرا اعتبار نہیں

تمہارے ہجر میں دن کس قدر گذارے ہیں
کوئی حساب نہیں ہے کوئی شمار نہیں

ترے کرم کے بھروسے پہ مطمئن ہوں مَیں
یہ جانتا ہوں کہ مجھ سا گنُاہگار نہیں

کسی کے رُخ پہ نظر جم کے رہ گئی شاید
مری نگاہ میں رنگینیٔ بہار نہیں

خمارِ نشۂ ہستی ہے وہ بلا کہ
بہک رہا ہے ہر اک، کوئی ہوشیار نہیں

حُسن پہ کوئی فدا ہو، مجھے منظُور نہیں
جذبۂ رشک سوا ہو، مجھے منظُور نہیں

دوست پابندِ وفا ہو، مجھے منظُور نہیں
اِس طرح ترکِ جفا ہو، مجھے منظُور نہیں

یادگارِ شبِ فرقت ہے یہی ایک رفیق
دردِ پہلوُ سے جُدا ہو مجھے منظُور نہیں

لے چُکا دِل ہی تو اِظہارِ تمنّا کیسا؟
دِل ہی دِل میں وہ خفا ہو، مجھے منظُور نہیں

دِل میں رکھتا ہوُں چھُپا کر تیری تصویر کو مَیں
دُوسرا تجھ پہ فِدا ہو مجھے منظُور نہیں

چارہ گر وہ نہ سہی، خاص مسیحا ہی سہی
دردِ اُلفت کی دوا ہو، مجھے منظور نہیں

ظُلم کے لاکھ طریقے ہیں ہزاروں پہلو
جس میں دشمن کی رضا ہو، مجھے منظور نہیں

بے طلب وہ مجھے جو دیں گے وہ مِل جائے گا
بے اثر میری دُعا ہو، مجھے منظور نہیں

دعویٔ عشق نہ کر اُس نے یہ شنکرؔ سے کہا
نام بدنام ترا ہو مجھے منظور نہیں

اب تصوّر میں بھی وہ زینتِ آغوش نہیں
مَیں وہاں ہُوں کہ جہاں تذکرۂ ہوش نہیں
عشق وہ کیا ہے جو طُوفان درآغوش نہیں
مَیں تو خاموش ہُوں دُنیا مری خاموش نہیں
اپنے انجام کار رہ رہ کے خیال آتا ہے
فکرِ فردا تو ہے مجھ کو جو غمِ دوش نہیں
وہ مجھے جان گیا جس نے مجھے دیکھ لیا
مَیں تو فریاد کی لَے ہُوں لبِ خاموش نہیں
آپ کی مستِ نگاہوں کا بھلا کیا کہنا
ایک بار اتنی پلادی کہ مجھے ہوش نہیں

تیرے وعدے کا اسی طرح یقیں ہے مجھ کو
مَیں سمجھتا ہوں کہ تو وعدہ فراموش نہیں

نیند ہم ہجر کے ماروں کو کہاں آتی ہے
ہم تو سو جائیں مگر موت کی آغوش نہیں

میرے ہر شکر میں پنہاں ہے شکایت تیری
مجھ سے بڑھ کر کوئی احسان فراموش نہیں

امتحاں ظرف کا ہوتا ہے یہیں تو شکوہ
جو کوئی پی کے بہک جائے وہ مَے نوش نہیں

دِل کے مِٹنے کا تو ملال نہیں غم یہ ہے آپ کو خیال نہیں

قدرداں ہی نہیں زمانے میں ورنہ مہر و وفا کا کال نہیں

بے وفائی کا آپ سے ہے گلہ اور کوئی ہمیں ملال نہیں

آج ہی تو پلا دے اے ساقی کل کے وعدے پہ ہم کو ٹال نہیں

اپنے دِل سے یہ پُوچھ لے اے دوست کیوں طبیعت مری بحال نہیں

کون اُس سے کہے یہ اب شؔگفتہ
وضعداری کا بھی خیال نہیں؟

مُدعا عرض ہو مجال نہیں	آپ کو خود ہی جب خیال نہیں

تُم اگر حُسن میں ہو لاثانی	عِشق میں میری بھی مثال نہیں

وُہ مری جان ہے وُہ میری رُوح	جس کو میرا ذرا خیال نہیں

ہر قدم پر ہزار فِتنے ہیں	کم قیامت سے اُس کی چال نہیں

دِل کو پھینک آئے ہم محبّت میں	کِس جگہ اور کب خیال نہیں

بات کیوں ہنس کے پھر نہیں کرتے	آپ کو مجھ سے گر ملال نہیں

ہے جُدا سب سے میری فکرِ رسا	کوئی بھی میرا ہم خیال نہیں

اپنی صُورت کو دیکھتا ہُوں میں	آئینہ ہے ترا جمال نہیں

تجھ کو کہتے ہیں سب یہ اے شنکرؔ
ایک شاعر ہے باکمال نہیں

رات دِن کِس کی محبّت میں تڑپتا ہے تُو
کِس کا شیدائی بنا اے دلِ شیدا ہے تُو

میں نے جب اُس سے کہا حُسن میں یکتا ہے تُو
بولا شرما کے سمجھتا ہوں کہ جیسا ہے تُو

کوئی جنّت کا طلب گار، کوئی حُوروں کا
مُجھ کو تیری ہی قسم میری تمنّا ہے تُو

چھوٹا مُنہ اور بڑی بات، مجھے آتی ہے شرم
کِس زباں سے کہوں اے دوست کہ میرا ہے تُو

میں بُرا ہوں، مری تقدیر بُری ہے، یہ صحیح ہے
کیوں بُرا تجھ کو کہوں، لاکھ میں اچھا ہے تُو

مجھ سے بن بن کے مرے کام بگڑ جاتے ہیں
تُو مری بگڑی بنا دیتا ہے ایسا ہے تُو

خاکساری سے ملے گی جو خدائی چاہے
خاک کے پُتلے اگر بندہ خدا کا ہے تُو

آج تو بزمِ سخن میں وہ غزل پڑھ شنکرؔ
اپنے مُنہ سے کہیں بیخود بھی کہ یکتا ہے تُو

محبت تھی ہمارے ہی لئے تو ہماری طرح اب کوئی جئے تو

دِکھا دیں شیخ کو جنت کا نقشہ ہمارے ساتھ اِک ساغر پئے تو

اِشاروں میں سُنائیں غم کا قصہ ہمارے ہونٹ وہ ظالم سِئے تو

وہ جھُوٹے تھے کہ سچے اس سے کیا کام عدو نے آپ کے شکوے کئے تو

گریباں آپ سِل جائے گا میرا مرا چاکِ جگر کوئی سئے تو

عدو تھا سخت جاں مر کر بچا ہے زمانے نے ترے بدلے لئے تو

رسائی ہو نہ اپنی تو کرے کیا
پتے شنکر نے کچھ تیرے دِئے تو

دُشمن پہ مجھ پہ لُطف کرو یا جفا کرو
نیکی بدی کسی سے سمجھ کر کیا کرو

کہتا ہے کون تم سے کہ مہر و وفا کرو
عاشق کو ذبح کند چُھری سے کیا کرو

دے کر دُعائیں لے کے بلائیں رہا نہ ہوش
جب اُس نے یہ کہا کہ بیاں مُدّعا کرو

ڈھونڈے سے بھی ملے گا نہ یہ جاں نثار پھر
بیمارِ غم کے حق میں نہ تُم بددُعا کرو

بالیں پہ آکے اب تو مسیحا بھی کہہ گئے
اب کیا دوا کا کام رہا اب دُعا کرو

اُس بے وفا کو پاس وفا کا نہیں، نہ ہو
شنکرؔ تم اپنا فرضِ محبّت ادا کرو

نہ حالِ زار پر تکلیف دی چشمِ عنایت کو
نہ ہے قسمت کہ طعنہ دے گئے وہ میری قسمت کو

گنہگارِ محبّت جانتا ہے اِس کی قیمت کو
بنا دے گا گہر، ابرِ کرم اشکِ ندامت کو

دیا ہے دردِ اُلفت دِل میں، سر میں عشق کا سودا
خدا خود جانتا ہے اپنے بندوں کی ضرورت کو

مبارک باد کہہ کر ہی مسیحا ہو گئے رُخصت
سنبھالے نے سنبھالا تھا مریضِ غم کی حالت کو

شہیدِ عشق کے لاشے پہ قاتل رو کے کہتا ہے
خدا بخشے اسے یہ فرض سمجھا تھا شہادت کو

تصور میں شبِ فرقت ہیں شنکر حُسن کے جلوے
دلِ مُضطر کو سمجھاؤں کہ بہلاؤں طبیعت کو

دیکھے کہ نہ دیکھے کوئی محفل میں اِدھر کو
پہچان ہی لیتے ہیں نظر باز نظر کو

اِنکار جو کرتے ہیں محبّت کے اثر سے
ہم بھی تو یہ دیکھیں کہ وہ دیکھیں نہ اِدھر کو

وُہ دیکھ رہے ہیں دلِ مُضطر کا تماشا
ہم دیکھتے ہیں اُن کی نگاہوں میں سحر کو

وُہ شام کی شوخی، وہ حیا اور ہی کچھ تھی
وُہ بات کہاں تیری نگاہوں میں سحر کو

تصویر یہ بنے دیکھ رہے ہیں مری صورت
ارشاد ہے پھر یہ بھی کہ دیکھو نہ اِدھر کو
اللہ زمانے میں دِکھائی نہیں دیتی
یہ کِس کی نظر ہو گئی اُلفت کی نظر کو
شنکر کی زیارت سے ہوئے آج مشرّف
یہ رُتبہ بھی اللہ نے بخشا ہے بشر کو

گلا ہی کاٹنا ہے، تو جھجک بے ادگر کیوں ہو
یہ نیچی آنکھ، او چھا وار، شرمیلی نظر کیوں ہو

یہ کہہ کر چھپ گئے وہ، تو ہمیں بدنام کرتا ہے
مثالِ مہر و مہ روشن ترا داغِ جگر کیوں ہو

حیا، شوخی، تبسّم، ہر ادا قاتل کی قاتل ہے
چھری، تلوار، خنجر، نیمچہ زیبِ کمر کیوں ہو

ڈبویا تو نے مجھ کو، آبرو کھوئی محبّت کی
مگر اشکوں سے تر دامن ترا اے چشمِ تر کیوں ہو

یہ میری عرض اے صیّاد تنکوں کو توڑ ہی دے
یہ اُس کی ضد نشیمن تیرا گُل کی شاخ پر کیوں ہو
مرے دِل میں چبھو کر خارِ گُل اُس نے کہا سُنکر
بہارِ گُل میں بھی خنداں ترا زخمِ جگر کیوں ہو

یہ میں نے مانا کہ تم ماہ و آفتاب بھی ہو
مزہ یہ حُسن کا ہے کوئی کامیاب بھی ہو

یہ کہہ کے اُس کے مقابل میں آئنہ رکھ دوں
کہ تیرے حُسن کا شاید یہی جواب بھی ہو

سُنی ہے کانوں سے تعریف تو ہزاروں کی
حسین جمع اگر ہوں تو انتخاب بھی ہو

ہماری بات کو سُن کر نہ یوں خموش رہو
اِدھر سوال زباں پر اُدھر جواب بھی ہو

عجیب شان سے آئے ہو آج گھر میرے

نقاب چہرے پہ ہے اور بے حجاب بھی ہو

ستم کے بدلے وفائیں جو کی ہیں شنکرؔ نے

جفا کا اور وفا کا کبھی حساب بھی ہو

زمانے کے حوادث سے پریشاں آدمی کیوں ہو
بسر آرام و راحت سے ہمیشہ زندگی کیوں ہو

شبِ ہجراں، بلائے جانِ عاشق بن گئی کیسی
محبت ایک نعمت ہے وبالِ زندگی کیوں ہو

مثل ہے چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیرا ہے
دو روزہ عیش پر مغرور اتنا آدمی کیوں ہو

گِلہ مجھ سے ستم کا سُن کے شوخی سے یہ فرمایا
جو دِل آزاد ہو اس نازنیں سے دِل لگی کیوں ہو

دلِ پژمردہ سے کہتے ہیں مُرجھائے ہوئے غنچے
گلستانِ محبت میں شگفتہ ہر کلی کیوں ہو

بہار آئی ہوئی ہے بالیقیں گلزار میں ورنہ
شرابی کی طرح سے ڈالی ڈالی جھومتی کیوں ہو

الٰہی عیش کے لمحے گذر جاتے ہیں دم بھر میں
مصیبت کی بھی مدت عارضی ہو دائمی کیوں ہو

پسِ مُردن جو ٹوٹے، ٹوٹ جائے رشتۂ اُلفت
مگر اے جانِ جاں ترکِ تعلق جیتے جی کیوں ہو

مئے نابِ سُخن پی کر لکھی ہے یہ غزل اشکرؔ
مرے اشعار میں ورنہ یہ کیفِ بےخودی کیوں ہو،

مُٹھی میں تیری دل نہیں میرا خفا نہ ہو
میں تو یہ دیکھتا ہُوں کہ دُزدِ حنا نہ ہو

تارا جو ٹوٹتا ہُوا دیکھا شبِ وصال
کہتے ہیں مجھ سے یہ تری آہِ رسا نہ ہو

ہاں داغِ عشق کی یہ چمک یہ دمک کہاں
پردے میں میرے دل کے کوئی مہ لقا نہ ہو

کیونکر سہے وہ رنج جُدائی کی سختیاں
قابو میں جس کے دل نہ ہو بس میں قضا نہ ہو

بے فائدہ ہے، حال سُنانے سے فائدہ؟
اُلفت کسی کو رو نہ جتانے سے فائدہ؟

مغرُور اپنے حُسن پہ وُہ اور ہو گئے
حاصل ہُوا یہ دل کے دکھانے سے فائدہ

وعدے کا اعتبار ترے قول کا یقیں
بے فائدہ ہے، رنج اُٹھانے سے فائدہ؟

آئے تھے لے کے روزِ ازل بختِ نامراد
حاصل ہُوا نہ ہم کو زمانے سے فائدہ

اِک بار تیغ پھیر دو میرے گلے پہ تم
اِس طرح روز روز ستانے سے فائدہ؟
شنکرؔ سخن شناس زمانہ میں کون ہے
لوگوں کو روز شعر سنانے سے فائدہ؟

سُنے گا شوق سے میرا فسانہ — کبھی پہچان ہی لے گا زمانہ
یہی ہے بے ٹھکانوں کا ٹھکانہ — خدا رکھے، تمہارا آستانہ
تڑپ جاتا ہوں جب پڑتی ہیں نظریں — قفس کے سامنے ہے آشیانہ
نثارِ حُسنِ جاناں ہو گیا دِل — اجل کو چاہیئے تھا اک بہانہ
نہ تھی جن کی ضرورت گلستاں کو — وُہ تنکے بن گئے ہیں آشیانہ
ترے تیرِ نظر سے دل کا بچنا — قضا سے چُوک سکتا ہے نشانہ!

مجھے لانا پڑا ایمان شنکرؔ
قیامت تھی ادائے کافرانہ

آؤ تو بہل جائے میرا دلِ دیوانہ

گلشن ہے بہاراں ہے لبریز ہے پیمانہ

جب غور سے سُنتے ہیں وہ عشق کا افسانہ

کِس طرح مچلتا ہے میرا دلِ دیوانہ

آنکھ اُٹھنے لگی تیری، یہ شرم ذرا کم ہو

شیشے میں دکھا دوں گا پھر تجھ کو پری خانہ

اس شوخ نگاہی کی تعریف نہیں ممکن

لڑتی ہے نظر جس سے بن جاتی ہے بیگانہ

یہ ابرِ شفق آگوں یہ سرد ہوا ساقی

اِک اور صراحی لا اِک اور دے پیمانہ

عاشق کا ابھی رُتبہ سمجھا ہی نہیں تُو نے

دیکھت میں ہے دیوانہ مطلب کا ہے فرزانہ

وہ بزم میں آ بیٹھے اب شمع بجھا دیجے

مرنے کو وہ آتا ہے پروانے پہ پروانہ

شنکرؔ کی غزل سُن کر تعریف کرو دِل سے

سب سانچے میں ڈھلتے ہیں یہ قولِ حکیمانہ

رنگ لائے گی اِلتجا میری　　سُن ہی لے گا کبھی خُدا میری

ضبطِ غم کو دُعائیں دیتا ہُوں　　رہ گئی گُھٹ کے ہر صدا میری

اُس کی بندہ نوازیاں دیکھو　　بخش دیتا ہے ہر خطا میری

سُننے والوں کے دل تڑپ اُٹھے　　سازِ غم بن گئی صدا میری

وصل ممکن نہیں وصال سہی　　اب تو کچھ اور ہے دعا میری

بے سہاروں کا آسرا تُو ہے　　کون سُنتا ترے سوا میری

یہ مشیّت کے راز ہیں شنکرؔ
ابتدا میری، انتہا میری

ہر نظر آشنا نہیں ہوتی / لُطف میں کیا جفا نہیں ہوتی

وصل کی بھی دُعا نہیں ہوتی / ہم سے اب اِلتجا نہیں ہوتی

ساری دُنیا کے کام آتے ہیں / ایک تم سے وفا نہیں ہوتی

دل میں اک آرزو ہے برسوں سے / لفظ بن کر ادا نہیں ہوتی

عشق تو ایک ہی سے ہوتا ہے / ساری دُنیا خُدا نہیں ہوتی

ٹھوکروں میں تری قیامت تھی / اب کبھی رُونما نہیں ہوتی

یہ صفت ہے جنابِ شنکر میں
ہر نظر پارسا نہیں ہوتی

اُن کی صورت نظر نہیں آتی / شبِ غم کی سحر نہیں آتی

یُوں تو گردش میں ہے نظر اُن کی / ہم جدھر ہیں اُدھر نہیں آتی

قتلِ بیمار کو کرو آکر / چارہ سازی اگر نہیں آتی

آنے والی تو ہے، مگر کب تک / موت کی کچھ خبر نہیں آتی

جمع ہیں میکدے میں متوالے / کیوں گھٹا جھوم کر نہیں آتی

کون سی وہ بلا ہے، ہجر کی شب / جو مری جان پر نہیں آتی

جس گھڑی ہو بشر کو غم سے نجات / وہ گھڑی عمر بھر نہیں آتی

آج وہ یوں لڑے ہیں شنکرؔ سے
صُلح ہوتی نظر نہیں آتی

آس ڈوبے ہوئے سفینے کی　　یہ بھی کوئی روش ہے جینے کی
تھا فقط ایک ٹھیس کا محتاج　　کیا حقیقت تھی آبگینے کی
مجھ کو مِل جائے عمرِ خضر اگر　　پھر بھی حسرت رہے گی جینے کی
سِفلہ پرور ہے چرخِ کج رفتار　　یہ تو عادت ہے اِس کمینے کی
سینہ ہے مخزنِ جواہرِ راز　　چاہیئے قدر اِس دفینے کی
چشمِ ساقی سے مِل گئی اِتنی　　اب ضرورت نہیں ہے پینے کی
پھر محبّت بھلا کہاں ہوتی　　دِل میں ہوتی جگہ جو کینے کی

مانگتے ہیں دُعائیں موت کی ہم　　　معذرت کر رہے ہیں جینے کی

اُس نے ہم سے بدی ہی کی شکوہ

ہم نے دُنیا میں جس سے کی نیکی

نہ پُوچھو شبِ غم کا تم حال مجھ سے، نہ میں کہہ سکوں گا نہ تُم سُن سکوگے

خدا کی قسم دل پہ گذرے جو صدمے نہ میں کہہ سکوں گا نہ تُم سُن سکوگے

کہوں تم سے کیا زاہدو رازِ اُلفت یہ ہے درحقیقت وہ سرِّ حقیقت

نہیں جس سے واقف تمہارے فرشتے، نہ میں کہہ سکوں گا نہ تُم سُن سکوگے

زمانہ جُدائی کا اِس طرح گذرا کہ آٹھوں پہر موت کا سامنا تھا

وہ قِصّے وہ دُکھڑے گِلے اور شکوے نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم سُن سکوگے

وُہ دکھ درد دل کا وہ فرقت کا قِصّہ، مَیں قربان، تُم مان لو میرا کہنا
نہ مَیں کہہ سکوں گا نہ تُم سُن سکو گے۔ نہ مَیں کہہ سکوں گا نہ تُم سُن سکو گے

عیاں میری صُورت سے ہے صاف شنکر تمہیں خود خبر ہے جو ہیں میرے ارماں
زباں سے مگر اپنے دل کے ارادے نہ مَیں کہہ سکوں گا نہ تم سُن سکو گے

چمن میں آج نہیں کل بہار آئے گی
تجھے تو کل نہ دلِ بے قرار آئے گی

مجھے یہ ڈر ہے قیامت نہ ہو کہیں برپا
یونہی جو گردشِ لیل و نہار آئے گی

یہ قاعدہ ہے کہ ہوتی ہے غم کے بعد خوشی
خزاں کے بعد یقیناً بہار آئے گی

اثر نہ ہو تو نہ ہو اُن کے دِل پہ اے قاصِد
ہنسی تو سُن کے مرا حالِ زار آئے گی

گناہگار ہوں میں میرے کام حشر کے دِن
بس ایک رحمتِ پروردگار آئے گی

وُہ آپ ہنستے ہوئے آئیں گے یہاں شنکر
ہمارے باغ میں جس دن بہار آئے گی

تمہارے دِل سے اُلفت غیر کی مشکل سے نِکلے گی
ہماری آرزو کیوں کر ہمارے دل سے نِکلے گی

بیانِ اضطرابِ سوزِ دل سُن لیجیۓ ورنہ
شکایت آہ بن بن کر ہمارے دِل سے نِکلے گی

حرم کو چھوڑ دے زاہد صنم خانے کی جانب آ
کہ صُورت کامیابی کی اِسی منزل سے نِکلے گی

مری کشتی کو بحرِ عشق میں ہے لاگ ساحل سے
کہ جب نکلے گی زِچ کر دامنِ ساحل سے نِکلے گی

وُہ کہتے ہیں یہ میرا تیر ہے جاں لے کے نکلے گا

میں کہتا ہوں، یہ میری جان ہے مشکل سے نکلے گی

مبارک آج وُہ دِن ہے کہ حسرت دل میں آئی ہے

نرالی وہ گھڑی ہوگی کہ جب یہ دِل سے نکلے گی

نہ وصلِ یار سے اِس درجہ نا اُمیّد ہو شنکر

یقیں ہے کوئی صورت مُرشدِ کامل سے نکلے گی

خاک میں عاشق کے جب ارماں ملے
تجھ سے کیا وہ دُشمنِ ایماں ملے

چاہیئے، انساں سے جب انساں ملے
مخلصانہ یا دلِ شاداں سے ملے

میکدہ آباد اے ساقی ترا
مدرسے تو راہ میں ویراں سے ملے

اپنے مطلب کا نہ کوئی بھی مِلا
نیک بد ہر قسم کے انساں سے ملے

وُہ خوشی ہو یا ہو غم، نعمت سمجھ
دوست سے جو اے دلِ ناداں ملے

اُن کو شاید دل کسی کا مِل گیا
حضرتِ شنکر بہت شاداں ملے

کانپ اُٹھتی ہے جب دیکھو مرے نام سے بجلی
واقف ہے مری آہ کے انجام سے بجلی

وعدے پہ نہ آئے جو کوئی اُس کی خطا کیا
کم بخت چمکتی ہے سرِ شام سے بجلی

خوش چشموں کی آنکھوں کے لئے سُرمہ بنایا
واقف نہ تھی کیا طُور کے انجام سے بجلی

میں دِن کو بناتا ہوں نشیمن جو چمن میں
آتی ہے جلانے کے لئے شام سے بجلی

صیّاد کی گلچیں کی نگاہیں تھیں مجھی پر
آخر کو گری گردشِ ایّام سے بجلی

آہوں کی جگہ شعلے نکلتے ہیں دہن سے
روشن ہے زمانے میں ترے نام سے بجلی

بلبل کی فغاں قہرِ الٰہی سے نہیں کم
صیّاد پہ گرنے کو ہے اب دام سے بجلی

جب سے دلِ بےتاب کو دیکھا ہے ہمارے
رہتی نہیں دم بھر بھی تو آرام سے بجلی

ہے تشنۂ دلِ سوختہ کی یہ بھی کرامت
ہوتی ہے نمودار لبِ بام سے بجلی

یہ کون اُن سے کہے پھول کیا چڑھا کے چلے

شہیدِ ناز کی تربت پہ حشر ڈھا کے چلے

بہانہ بن گیا، تیرِ قضا لگا کے چلے

دمِ وداع جو یُوں آپ مُسکرا کے چلے

ہو آج دیکھئے کیا حشر بادہ خواروں کا

وُہ سر جُھکائے ہُوئے سامنے خُدا کے چلے

نگاہِ یاس یہ کہتی ہے ہو کرم کی نظر

مریضِ غم سے کہاں تم نظر چرا کے چلے

پیامِ وصل مجھے ہو گیا پیامِ اجل
خوشی کی کیسی خبر مجھ کو تم سُنا کے چلے

جو تن کے چلتے ہیں کھاتے ہیں ٹھوکریں اکثر
بشر کو چاہیئے دُنیا میں سر جھکا کے چلے

عجیب وجد کا عالم سُخنوروں پر تھا
مُشاعرے سے جو شنکرؔ غزل سُنا کے چلے

خزاں کے دَور میں ناسازگار ہو کے چلے
وُہی ہوا جو چمن میں بہار ہو کے چلے

تمام عمر تکی راہ تیرے آنے کی
جہاں سے وقفِ غمِ انتظار ہو کے چلے

پسِ فنا بھی رہا عزمِ منزلِ مقصد
ہماری خاک کے ذرّے غبار ہو کے چلے

وہی ادا خمِ ابرو کی بھا گئی دِل کو
مرے گلے پہ جو خنجر کی دھار ہو کے چلے

نہ ہم کسی کے یہاں تھے نہ تھا کوئی اپنا
سرائے دہر میں بیگانہ وار ہو کے چلے

تمام رشتوں کو تارِ نفس نے توڑ دیا
چمن سے ہم بھی چمن کی بہار ہو کے چلے

تری تلاش میں دَر دَر کی ٹھوکریں کھائیں
کہاں کہاں ترے اُمّیدوار ہو کے چلے

خیال کب ہؤا دُنیا کی بے ثباتی کا
عروسِ مرگ سے جب ہمکنار ہو کے چلے

ہمارے پاؤں کو لغزش نہ ہو سکی تشنکر
پیئے ہُوئے تھے مگر ہوشیار ہو کے چلے

مریضِ غم کا وقتِ نزع آسانی سے دم نکلے
کوئی تازہ عنایت ہو، کوئی تازہ ستم نکلے

رہے ہر وقت قائم انتظارِ وصل کی لذّت
نہ دل سے حشر تک میرے تری فرقت کا غم نکلے

مُرادیں پا کے اپنے دل کی ہر انسان جاتا ہے
مگر ناشاد ہو کر اک تری محفل سے ہم نکلے

مری یہ آرزو ہے وصل میں آرام سے گذرے
تمہارا مدعا یہ ہے خوشی میں بھی اَلم نکلے

تمہاری شکل ایسی ہے تمہارا حُسن ایسا ہے
کہ جس پر آدمی تو آدمی حُوروں کا دم نکلے

دمِ آخر مریضِ عشق کہتا ہے یہ رو رو کر
محبّت آپ کی دِل سے اگر نکلے تو دم نکلے

قسم کھاتے ہو تم اغیار کے کوچے میں جانے کی
کہیں ایسا نہ ہو جھوٹی تمہاری یہ قسم نکلے

جب دردِ طلب بڑھتے بڑھتے خود اپنی دوا ہو جاتا ہے

آہوں کے بھی پر لگ جاتے ہیں نالہ بھی رسا ہو جاتا ہے

اِنساں کو جب کچھ فہمِ نظر قدرت سے عطا ہو جاتا ہے

ہر شے کی طلب مٹ جاتی ہے راضی برضا ہو جاتا ہے

منبر پہ نہیں کہتا کوئی، ہیں دار پہ کہنے کی باتیں

یہ ذوقِ خودی اللہ اللہ بندہ بھی خُدا ہو جاتا ہے

یوں شمع کی لَو سے ٹکرانا ہے کام یہی پروانے کا

ہم جان نہیں دیتے اِس پہ اک فرض ادا ہو جاتا ہے

وہ اُن کے تغافل کی باتیں وہ اپنی وفاؤں کا رونا
جب یاد مجھے آجاتے ہیں ہر زخم ہرا ہو جاتا ہے

تم مشقِ ستم جاری رکھو بیکار پشیماں ہوتے ہو
ہے اس کی جگہ میرے دل میں جو تیر خطا ہو جاتا ہے

دنیائے محبت میں شنکرؔ ایسے بھی مقام آجاتے ہیں
جینے کے لئے جو مرتا ہے جینے سے خفا ہو جاتا ہے

جب دِل کی خلش بڑھ جاتی ہے مجبور جب انساں ہوتا ہے

جینا جسے مشکل ہو جائے مرنا اُسے آساں ہوتا ہے

آئی تھی جوانی ہم پر بھی، ہم نے بھی بہاریں دیکھی ہیں

اِس دَور سے ہم بھی گزرے ہیں، اک خواب پریشاں ہوتا ہے

بے کار ہے شکوہ اپنوں کا، بے سُود شکایت غیروں کی

جب وقت بُرا آجاتا ہے سایہ بھی گُریزاں ہوتا ہے

میں اُن کے ستم سب بھول گیا، مجھ کو تو کرم یاد آتے ہیں

وُہ سر بھی اُٹھا سکتا ہے کبھی جو بندۂ احساں ہوتا ہے

ہر وقت اُلجھتے رہتے ہیں یہ ہاتھ کسی کے دامن سے
جب ہوش مجھے آجاتا ہے میرا ہی گریباں ہوتا ہے

ہر ایک کو جانا پڑتا ہے دُنیا کے مسافر خانے سے
کچھ روز اقامت ہوتی ہے کچھ روز کا مہماں ہوتا ہے

اے زاہدِ خود بیں رحمتِ حق آغوش میں اُس کو لے لیگی
جو اپنے گُناہوں پہ دِل میں ہر وقت پشیماں ہوتا ہے

جو دیکھ رہے ہیں ساحل سے یہ حال بھلا وہ کیا جانیں
طُوفاں سے گزرنے والوں کو اندازۂ طُوفاں ہوتا ہے

یہ عشق و وفا کی باتیں ہیں پُوچھے کوئی شنکر کے دِل سے
وہ سامنے جب آجاتے ہیں ہر سانس غزل خواں ہوتا ہے

قربِ حاصل ہے مگر دُور نظر آتا ہے
آنکھ ملتی ہے تو وُہ حُور نظر آتا ہے

ہر جگہ جلوہ مستور نظر آتا ہے
خاک کا ذرّہ مجھے طُور نظر آتا ہے

تحفۂ پیرِ مغاں جان کے لے لیتا ہوں
جب کوئی دانۂ انگور نظر آتا ہے

اشکِ خوں کا میری آنکھوں سے ٹپکنا نہ گیا
دِل کے اندر مجھے ناسُور نظر آتا ہے

سیرِ گلزار سے ہوتے ہیں جگر کے ٹکڑے

غنچہ غنچہ مجھے ساطور نظر آتا ہے

دلِ مجروح کی ہمّت ہے کہ پروا ہی نہیں

وارِ قاتل کا تو بھرپور نظر آتا ہے

عہد و پیماں کوئی پھر اُن سے ہُوا کیا تشنکرہ

آج پھر تو ہمیں مسرور نظر آتا ہے

کوئی دِل لے کے چُٹکی سے مسل کر پھینک دیتا ہے
کوئی دل دے کے آزارِ محبّت مول لیتا ہے

وہ اک کم بخت میں ہوں جس کو رونا بھی نہیں آتا
وہ اِک تُو ہے کہ ہنس کر زخمِ دل کو چھیڑ دیتا ہے

سمجھتا ہے دلِ پژمُردہ، جنّت مِل گئی اُس کو
وہ رشکِ گُل کبھی جو مُسکرا کر دیکھ لیتا ہے

نہ کوسو عید کا دن ہے، مناؤ خیر دشمن کی
کلیجہ تھام کر کوئی دعائیں تم کو دیتا ہے

عیادت کو نہ جاؤ دشمن کی اُس نے زہر کھایا ہے
عبث بیٹھے بٹھائے اپنے سر الزام لیتا ہے

شبِ وعدہ اجل آتی ہے یا آتا ہے وہ شنکرؔ
مرے ٹوٹے ہوئے دل کی دعائیں کون لیتا ہے

کسی شوخ کے آستاں پر جبیں ہے
دماغ اپنا بالائے عرشِ بریں ہے

یہ کہہ کر ہُوا مجھ سے رخصت مِرا دل
حقیقت یہ ہے، کوئی اپنا نہیں ہے

لڑی ہے کہیں آنکھ کہتے ہیں تیور
نظر ہے کہیں آپ کا دل کہیں ہے

الٰہی زمانہ یہ آیا ہے کیسا
کسی کو کسی سے محبّت نہیں ہے

وہ تھی جستجو جس کی کون و مکاں میں
مرے خانۂ دِل میں اب وُہ مکیں ہے
یہ ہے چاندنی چار دن کی، وہ سُن لے
جو اپنی جوانی پہ نازاں حسیں ہے
کسی پر بُرا وقت آئے نہ تشنکر
بُرے وقت کا کوئی ساتھی نہیں ہے

گلشن میں ہر کلی کا گریبان چاک ہے
آمد یہ اے بہار تری شرمناک ہے

اے شیخ اپنے آئنۂ دل میں مجھ کو دیکھ
دل صاف ہے ضمیر گناہوں سے پاک ہے

وہ عاشقوں سے بزم میں آکر یہ کہہ گیا
جس میں ہوس شریک ہو اُلفت وہ خاک ہے

ابرِ کرم جو برسے تو دِل کی کلی کِھلے
گلزار کی فضا تو کچھ افسوسناک ہے

یہ اپنے دل سے پُوچھ ستمگر نہ مجھ سے پُوچھ
کیوں میرے لب پہ آہ ہے کیوں سینہ چاک ہے
شُکر جنابِ حضرت بیخودؔ کے فیض سے
دُنیائے شاعری میں ہماری بھی دھاک ہے

جب کہ اپنے نہ تھے پرائے تھے
تم تصوّر میں کیوں سمائے تھے

تم کو اپنا سکے نہ ہم زنہار
تم پرائے رہے، پرائے تھے

شعر بن کر زباں پہ آئے
اشک جو آنکھ تک نہ آئے تھے

ہم سے ترکِ وفا نہ کر اے دوست
سب ستم کس لئے اُٹھائے تھے

کس کو انکار ہے گناہوں سے
بہرِ رحمت کئے، کرائے تھے

عشق میں سب فریب اے شنکرؔ
کچھ سمجھ بوجھ کر ہی کھائے تھے

دِل میں ہے تسبیح تیری، لب پہ تیرا نام ہے
عاشقِ صادق کا سوتے جاگتے یہ کام ہے

دل ہے پہلو میں، مگر ناکارہ و ناکام ہے
غنچۂ پژمُردہ ہے یا اک شکستہ جام ہے

کِس لئے میں اپنی کشتی ناخدا کو سونپ دوں
گوہرِ مقصود حاصل کرنا میرا کام ہے

تلخ کامی عشق میں ہے شادمانی کی دلیل
تو پریشاں اس قدر کیوں اے دلِ ناکام ہے

اب بھی توبہ کو نہ توڑوں شیخ تو مجھ کو بتا
باغ ہے اُودی گھٹا ہے، ساقیٔ گلفام ہے

اُس کو کیا۔میں زہر کے یا خون کے پیتا ہوں گھونٹ
سامنے جس کے شرابِ ارغواں کا جام ہے

حضرتِ بیخودؔ سے ہے مجھ کو تلمذ کا شرف
وہ کہ جن کی شاعری مقبولِ خاص و عام ہے

خدمتِ خلقِ خدا ہے فرض اپنا رات دن
خدمتِ خلقِ خدا شنکرؔ ہمارا کام ہے

اب میں ہوں اور بادہ رنگیں کا جام ہے

بے کیف زندگی کی سحر ہے نہ شام ہے

ساقی کا حکم ہے کہ پیو اِذنِ عام ہے

پینا نہیں ہے پی کے بہکنا حرام ہے

سُن کر زبانِ اشک سے وہ مُسکرا دئے

شاید یہ داستان ابھی ناتمام ہے

ہم مٹ گئے مگر انہیں اب تک نہیں یقیں

ایسی وفا کو دُور سے جُھک کر سلام ہے

وصل کی شب میں نہ جاگے گا مقدّر کیا مرا
شام ہی سے نرگسی آنکھوں میں خواب آنے کو ہے

شام وعدہ کیوں نہیں ہے بے قراری شوق کی
آج بھی شاید کوئی خالی جواب آنے کو ہے

بوتلوں کے کاگ بادل بن کے اُڑ جاتے نہ کیوں
بزمِ ساقی میں کوئی مستِ شباب آنے کو ہے

اے دلِ مشتاق بس اپنی زباں کو بند رکھ
عرضِ مطلب پر ابھی مجھ سے حجاب آنے کو ہے

آفتیں سارے جہاں کی کیوں ہمارے گرد ہیں
کیا کسی پر یہ دلِ خانہ خراب آنے کو ہے

جس کے جلوے نے لگا دی آگ کوہِ طور پہ
وہ ہمارے دل کے اندر بے حجاب آنے کو ہے

بے بُلائے، بے کہے، بے وجہ اس کا کیا علاج
بن کے مہماں آج دِل میں اضطراب آنے کو ہے

دیکھئے وہ میرے حق میں فیصلہ کرتے ہیں کیا
سامنے اُن کے مقدّر کی کتاب آنے کو ہے

حضرتِ شنکر نہ ہوں، اہلِ سُخن میں دھُوم ہے
بزم میں اک شاعرِ عالی جناب آنے کو ہے

بھولپن جانے کو ہے اُن کا شباب آنے کو ہے
زندگی میں حشر ساماں اِنقلاب آنے کو ہے

بزمِ ساقی میں نئی کھنچ کر شراب آنے کو ہے
پھر مری توبہ پہ اِک تازہ عذاب آنے کو ہے

کوثر و تسنیم کی تعریف کے پُل باندھ کر
اب زباں پر شیخ کی ذکرِ شراب آنے کو ہے

کہہ رہی ہے صاف اُن کی مُسکراہٹ زیرِ لب
میری عرضِ مُدعا پر اب عتاب آنے کو ہے

خواب سے چونکا تو آنکھوں میں اندھیرا آ گیا
جب یہ دیکھا، بر لبِ بام آفتاب آنے کو ہے

اُس کے احسان و کرم کا ہو نہیں سکتا شمار
واعظ آنے دے اگر روزِ حساب آنے کو ہے

اے دلِ ناشاد کس کو ہے خبر تقدیر کی
یہ جواب آنے کو ہے یا وہ جواب آنے کو ہے

حضرتِ شنکر کے تقوے کا بھرم کھل جائے گا
سامنے مُرشد کے اب جامِ شراب آنے کو ہے

تمہاری محبت تمہاری جُدائی مجھے اب تو ہر آن تڑپا رہی ہے
تمہارے سِوا میں کسی کو نہ دیکھوں یہی میرے دِل کی تمنّا رہی ہے
کشش کا یہ عالم ہے مرکز کی جانب خُدا کی خُدائی چلی آ رہی ہے
تمہارا ہی نقشِ قدم ہے یہ شاید جہاں ساری دُنیا جُھکی جا رہی ہے
یُونہی ڈُوب جاتے ہیں کِتنے سفینے کچھ ایسا ہی دستُور ہے اِس جہاں کا
خبر بھی نہ آئے گی ساحل تک اُس کی وہ کشتی جو طُوفاں سے ٹکرا رہی ہے
نہ عقل و خرد ہے نہ صبر و تحمّل، نہ تاب و تواں رکر گئے سب کنارا
اُدھر آپ فرما رہے ہیں تبسّم اِدھر دِل کی دُنیا لُٹی جا رہی ہے

محبت میں جینا محبت میں مرنا یہی راز ہے اصل میں زندگی کا
محبت میں دِل ہی نہیں جان بھی دے مجھے میری فطرت یہ سمجھا رہی ہے

نہ جوشِ جنوں ہے نہ پاسِ وفا ہے نہ دردِ طلب ہے نہ ذوقِ تمنّا
کرم کی نظر سے دِلوں کو سنبھالو کہ رسمِ محبت مٹی جا رہی ہے

ابھی تم نے شنکرؔ کو سمجھا نہیں ہے شفاؤں کو الزام کیوں دے رہے ہو
ہر اِک غم کا اس نے کیا خیر مقدم اِسے ہر مصیبت گوارا رہی ہے

کتنا دِلکش فریبِ ہستی ہے
زندگی موت کو ترستی ہے

یہ نشیب و فرازِ ہستی ہے
ہر بلندی کو ایک پستی ہے

دیکھ کر کیا کرو گے دِل کی طرف
ایک اُجڑی ہوئی سی بستی ہے

موت آکر جسے اُٹھائے گی
زندگی وہ حجابِ ہستی ہے

جان دے کر ملے جو اُس کی رضا
پھر بھی مہنگی نہیں ہے سستی ہے

رُخ گھٹا کا ہے سوئے میخانہ
دیکھئے اب کہاں برستی ہے

اس کے نغموں سے مست ہے دُنیا
کتنا پُرکیف سازِ ہستی ہے

ہے یہ سودا الیقین کا شُکر
بُت پرستی بھی حق پرستی ہے

اچھا ہے جنونِ اُلفت کی تکمیل کا ساماں ہو جائے
کیوں فکر کریں ہم دامن کی جب چاک گریباں ہو جائے
وہ بھی کوئی مشکل ہے مشکل کوشش سے جو آساں ہو جائے
ہم درد نہیں کہتے اُس کو جس درد کا درماں ہو جائے
اللہ محبّت کو رکھے وہ وقت بھی آنے والا ہے
مَیں دل سے پریشاں ہو جاؤں دل مجھ سے پریشاں ہو جائے
بُنیادِ ستم مستحکم ہو، اچھا ہے کمی باقی نہ رہے
اِتنی تو نمک پاشی کر دو ہر زخم نمکداں ہو جائے

تم سے تو بڑی اُمّیدیں تھیں جھوٹی بھی تسلّی دے نہ سکے
اِتنا تو کرم کرتے جاؤ مرنا مجھے آساں ہو جائے

پہچان اُسی کو ہوتی ہے جو نبض شناسِ عالم ہے
مشکل ہے ہر اک کی نظروں سے اندازۂ طوفاں ہو جائے

دنیائے محبت میں شکیلہ ہم آس لگائے بیٹھے ہیں
اِس یاس بھرے دِل کا شاید پورا کوئی ارماں ہو جائے

عیاں جو سوزِ محبت کا راز ہو جائے
تو مثلِ شمع ہر اک دِل گُداز ہو جائے

وہ جلوہ گر جو بصد عِزّ و ناز ہو جائے
تری تو عید جبینِ نیاز ہو جائے

خوشی سے بارِ غمِ دو جہاں اُٹھا لُوں گا
ترا خیال اگر دِل نواز ہو جائے

شراب پینے سے ہو جاؤں میں اگر تائب
عجب نہیں کہ درِ توبہ باز ہو جائے

اُس آرزُو کا نکلنا مُحال ہے شنکر
وہ آرزُو جو ہمیشہ کو راز ہو جائے

میرے جنوں نے ہوشِ خرد کے اُڑا دیئے
یعنی تعیّنات کے پردے اُٹھا دیئے

نکھرا ہوا چمن ہے گلوں پر بہار ہے
اچھا کیا حضور ذرا مسکرا دیئے

کچھ روشنی سی دِل میں نمودار ہو گئی
اس کی نظر نے داغِ تمنّا جلا دیئے

اُبھرے ہوئے تھے صفحۂ ہستی پہ کچھ نقوش
آخر اک انقلابِ جہاں نے مٹا دیئے

اُس کی نظر میں لفظِ محبّت ہی جُرم ہے
کیا حُسن مانتا ہے بھلا بے سزا دیئے

سادہ ورق ہے قصۂ ماضی کا سامنے
کچھ واقعات بھول گئے کچھ بھلا دیئے

پائے طلب کی خوب مدارات ہو گئی
دشتِ جنوں نے راہ میں کانٹے بچھا دیئے

یہ مہر و ماہ یہ گُل و انجم یہ کہکشاں
اس نے ہر ایک رنگ میں جلوے دکھا دیئے

شنکر گلے کا ہار ہیں رُسوائیاں مری
اِک حرفِ آرزو نے فسانے بنا دیئے

وار مجھ پر تیغ کے قاتل نے کل کیا کیا کیے
آشنا دیکھا کیے نا آشنا دیکھا کیے

دِل چُرا کر اہلِ محفل کے بتاؤ کیا کیے
ہر طرف دُزدیدہ نظروں سے جو تم دیکھا کیے

نیچی نظریں دے رہی تھیں کامیابی کی خبر
وہ سوالِ وصل سُن کر دیر تک سوچا کیے

آج بدنامی سے میری تُم ڈراتے ہو مجھے
مُدتیں گذریں مرے دِل کو مجھے رُسوا کیے

اُن کی بزمِ نازنہ کیسی غیر کی محفل تھی وہ
دُور بیٹھے وہ کنکھیوں سے مجھے دیکھا کیے

کیا دکھایا ہے تماشا اِس نگاہِ یاس نے
جاتے جاتے وہ پلٹ کر دُور تک دیکھا کیے

اِس تماشا کا مزا اہلِ نظر سے پُوچھیے
ہر طرف جلوہ تُمہارے حُسن کا دیکھا کیے

اُن کا پردہ، شرم اُن کی، لُطف ان کا دیکھیے
خواب میں آ کر وہ میرا حالِ دِل پُوچھا کیے

منتظر رہتا ہُوں میں وہ رات بھی آئے کبھی
اُن کو مُدت ہو گئی ہے رات کا وعدہ کیے

چھُپ کے مسجد میں پیا کرتے ہیں شنکر جامِ مے
رِند تو کیا دیکھ سکتے پارسا دیکھا کیے

کہنے تو گئے تھے حال اپنا، ہم عرضِ تمنّا بھول گئے
جلووں میں کچھ ایسے کھوئے گئے ہم دل کا تقاضا بھول گئے

ہونٹوں پہ تبسّم لہرایا، آنکھوں میں اُمڈ آئے آنسو
کیا جانے اُنہیں کیا یاد آیا معلوم نہیں کیا بھول گئے

جب تُم نے ہی مُنہ پھیر لیا دِل ٹُوٹ گیا جی چھُوٹ گیا
پھر ہوش میں رہ کر کیا کرتے، ہم دین و دُنیا بھول گئے

وعدوں پہ یقیں کیوں ہم نے کِیا کیوں سازِ تمنّا چھیڑ دیا
سچ یہ ہے کہ تھی اپنی ہی خطا۔ اے جانِ تمنّا بھول گئے

پھرتا ہے نگاہوں میں وہ سماں لیکن وہ ہجُومِ شوق کہاں
وہ عہدِ نشاط و سرشاری اِک خواب تھا گویا بھول گئے

ہستی ہے سراپا غم سشنکرہ اور غم ہی رازِ ہستی ہے
اللہ رے ہماری بے خبری کیا یاد رہا کیا بھول گئے

ایک کافر سے محبّت ہو گئی   زندگی کتنی مُصیبت ہو گئی

ہر تمنّا دِل سے رُخصت ہو گئی   آس کیا ٹُوٹی کہ فرُصت ہو گئی

عشق نے پُہنچا دیا اُس حال کو   دیکھنے والوں کو عبرت ہو گئی

اب نہ چاہیں گے کسی کو بھُول کر   تُم کو دل دے کر نصیحت ہو گئی

یہ جنُونِ عشق کے انداز ہیں   اپنے سائے سے بھی وحشت ہو گئی

جس نے اُس کو پا لیا وہ کھو گیا   جس نے دیکھا اُس کو حیرت ہو گئی

دِل میں ہی رکھنی تھی شنکر دِل کی بات
مُنہ سے نکلی تو شکایت ہو گئی

سوزِ دل سے آنکھ پُر نم ہو گئی
اب تو یہ آتش بھی شبنم ہو گئی

جب طبیعت خُوگرِ غم ہو گئی
رفتہ رفتہ ہر خلش کم ہو گئی

زخمِ دِل کے ہو چُکے تھے لاعلاج
اِک نگاہِ لُطف مرہم ہو گئی

ہے محبت کا یہ معراجِ کمال
زندگی خود تشنۂ غم ہو گئی

کر چُکے ہیں اُن سے ہم عہدِ وفا
اور یہ زنجیر محکم ہو گئی

غم پہ تھا سارا مدارِ زندگی
غم ہُوا کم تو خوشی کم ہو گئی

وہ سِتم کر کے پشیماں جب ہوئے
شرم سے گردن مری خم ہو گئی

دیکھنا میرے تصوّر کا کمال
آرزُوئے دِل مجسّم ہو گئی

دیر تک مِلتے رہے قلب و نظر
گفتگو کچھ آج باھم ہو گئی

چھیڑ دینا ہو گیا شنکر سِتم
زُلف اُن کی اور برہم ہو گئی

بنے ہیں کھیل یہ نیرنگیِ جہاں کے لئے
نہ ہو بہار تو پھر موت ہے خزاں کے لئے
رہے گا یاد وہ بجلی کا کوند کر گرنا
مُضر تھی اتنی بلندی بھی آشیاں کے لئے
یہ حادثاتِ زمانہ ابھی گزر جائیں
زمانہ چاہیئے تکمیلِ داستاں کے لئے
تمہارے عشق کے طوفاں سے دل ہی گزرے گا
سفینہ ہے یہی اِس بحرِ بے کراں کے لئے
کسی کے عشق کی صورت میں دے دیا ہے مجھے
وہ غم کیا تھا جو تخلیق دو جہاں کے لئے

کہاں کہاں نہ مجھے لے گئی وفا میری
ہر اک مقام سے گزرا ہوں امتحاں کے لئے

لحد میں سوتا ہے آخر ہر ایک چین کی نیند
یہی تو آخری منزل ہے کارواں کے لئے

مرے سوا یہ کسی سے نہ سن سکیں گے آپ
بنے ہیں میرے فسانے مری زباں کے لئے

بقدرِ حصّہ ہر اک کو نصیب ہیں شکر
وہ گردشیں جو مقدّر ہیں آسماں کے لئے

آہ شرمندۂ اثر نہ ہوئی
کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی

مُلتفت آپ کی نظر نہ ہوئی
شاخِ اُمید بارور نہ ہوئی

ہم نے دن جس جگہ گزار دیا
رات اپنی وہاں بسر نہ ہوئی

عیب اوروں کے ڈھونڈتے ہیں ہم
اپنے افعال پر نظر نہ ہوئی

قصۂ غم اگر نہ تھا کوتاہ
زندگانی بھی مختصر نہ ہوئی

رہ گئی دِل میں داغِ دِل بن کر
وہ تمنّا جو بارور نہ ہوئی

داد دو میرے ضبطِ غم کی مجھے
دِل بھی رویا تو چشم تر نہ ہوئی

میرے تخئیل کی بلندی بھی
کبھی محتاجِ بال و پر نہ ہوئی

خُوبیاں دیکھئے مقدّر کی
ہو گئی شام تو سحر نہ ہوئی

ان سے ملنے کی آرزو پوری
بات ممکن سہی مگر نہ ہوئی

دِل پہ گذرے وہ حادثے شنکر
اِک گھڑی چین سے بسر نہ ہوئی

تری طرف سے کرم میں کوئی کمی نہ ہوئی
مگر ہمیں سے ادا شرطِ بندگی نہ ہوئی

سیاہ خانۂ دِل میں نہ وہ نظر آئے
چراغِ داغ جلا کر بھی روشنی نہ ہوئی

ہزار ہم نے جھکایا سرِ نیاز اپنا
غرورِ حسن میں اُن کے کوئی کمی نہ ہوئی

تمہارے بعد نہ آیا بہار کا موسم
چمن کے پھولوں میں پیدا وہ دلکشی نہ ہوئی

نمودِ صبح ہے لازم ہر ایک شام کے بعد
ہمیں تو غم سے بھی حاصل کوئی خوشی نہ ہوئی

زباں پہ میری شکایت ہے شکر کے بدلے
یہ ایک کھیل ہوا رسمِ بندگی نہ ہوئی

بتوں کے ناز اٹھاؤ گے تا بکے شنکر
یہ دشمنی ہوئی اپنے سے دوستی نہ ہوئی

اُن کو دُکھ درد مرے دِل کا سُنے دیر ہوئی
کِس کی طاقت ہے مگر۔ اُن سے کہے دیر ہوئی

کیا سِتم ہے کہ ابھی منزلِ مقصود ہے دُور
عِشق میں مجھ کو تو بدنام ہوئے دیر ہوئی

میرا ہی غُنچۂ دِل ہے کہ ابھی تک نہ کھِلا
باغِ عالم میں تو کلیوں کو کھِلے دیر ہوئی

اب نہ وہ نشّہ نہ وہ کیف نہ مستی نہ سرُور
ہم کو جامِ مئے گلفام پیئے دیر ہوئی

آشیانہ تھا جہاں جس میں چہکتے تھے کبھی
اُس گلُستاں کی ہوا کھائے ہوئے دیر ہوئی

بیخود و زار کا دم بھی ہے غنیمت شنکر
میر و سودا کو تو محفل سے گئے دیر ہوئی

وہ یہ سمجھے کہ بپا ہم سے قیامت نہ ہوئی
اُن کے مُنہ پر جو بیاں ہم سے شکایت نہ ہوئی

قیس و فرہاد نے بدنام محبّت کو کیا
ہم سے برباد ترے عشق کی دولت نہ ہوئی

تم گِلہ سمجھو، خفا ہو، مجھے رونا یہ ہے
حال پر میرے کبھی چشمِ عنایت نہ ہوئی

مَیکدہ، دَیر، حرم، باغ، بیاباں چھُوٹے
ترک ہم سے مگر اک راہِ محبّت نہ ہوئی

حضرتِ شیخ کو کیوں ہو نہ بُتوں سے نفرت
مُنکشف ان پہ مجازی کی حقیقت نہ ہوئی

پارسائی کا تیری حال کھُلے گا زاہد
شاملِ حال جو اللہ کی رحمت نہ ہوئی

یاد آئیں گے یہ دُنیا کے مزے اے واعظ
خُلد میں بھی جو میسّر تجھے راحت نہ ہوئی

ہم تو قائل نہیں شکر کہ وہ ہو حشر میں شاد
باغِ دُنیا ہی میں حاصل جسے جنّت نہ ہوئی

دِل میں ہے چل کر ذرا بزمِ حسیناں دیکھیے
کون بنتا ہے ہمارا دُشمنِ جاں دیکھیے

آپ کے جلووں نے روشن کر دئیے داغِ جگر
بیٹھ کر دِل میں ذرا سیرِ چراغاں دیکھیے

قدر اچھوں کی نہیں ہوتی ہے دُنیا میں کبھی
حُسنِ یُوسف کہہ رہا ہے چل کے زنداں دیکھیے

گُل بھی ہیں محفل میں اُن کی شمع بھی محفل میں ہے
اُن کو خنداں دیکھیے اور اِس کو گریاں دیکھیے

زخمِ پہلو تو نہیں جو آنکھ سے آئے نظر
ہاتھ رکھ کر مرے دِل پر دردِ پنہاں دیکھیے

حُسن کہتے ہیں اِسے انداز کہتے ہیں اسے
دیکھتے ہی تو مچل جاتا ہے اِنساں دیکھئے

عاشق و معشوق میں ہوتی ہے باہم رسم و راہ
اپنا دامن دیکھئے میرا گریباں دیکھئے

صُبح تک جینے کی کس کم بخت کو اُمید ہے
رنگ لائی ہے ابھی سے شامِ ہجراں دیکھئے

کیا فصاحت کیا بلاغت کیا مضامیں اِس میں ہیں
آپ بھی تو حضرتِ شنکرؔ کا دیواں دیکھئے

اللہ شامِ غم کی سحر کچھ نہ پوچھیے
کیونکہ ہوئی یہ رات بسر کچھ نہ پوچھیے

یہ اہتمامِ تیرِ نظر کچھ نہ پوچھیے
گہرے ہیں کتنے زخمِ جگر کچھ نہ پوچھیے

مَیں جانتا نہیں ہوں مآلِ غمِ فراق
اِس مُبتدا کی مجھ سے خبر کچھ نہ پوچھیے

ارماں دُعائے نیم شبی کے نِکل چکے
اب اعتمادِ آہِ سحر کچھ نہ پوچھیے

کچھ پوچھیے تو بات کا مِلتا نہیں جواب
چلتا نہیں ہے کام اگر کچھ نہ پوچھیے

اِتنا تو جانتا ہُوں کہیں جا رہا ہُوں مَیں
درپیش ہے کہاں کا سفر کچھ نہ پُوچھیے

آتا نہیں ہے اب کسی پہلو ہمیں قرار
کیا کام کر گئی وہ نظر کچھ نہ پُوچھیے

اب بھی تڑپ رہا ہُوں تڑپنے سے کام ہے
کس حال میں ہے دردِ جگر کچھ نہ پُوچھیے

کچھ بھی اگر نہیں ہے تو کیا دیکھتا ہُوں مَیں
کیا چیز ہے فریبِ نظر کچھ نہ پُوچھیے

شنکرؔ ہے اِس کے واسطے اِنسانیت کی شرط
ہے پھر کہاں مقامِ بشر کچھ نہ پُوچھیے

محبّت کر کے دِل پچھتا رہا ہے
مزا اب زندگی کا آ رہا ہے

غمِ اُلفت مجھے مِلتا رہا ہے
مذاقِ زندگی اچھّا رہا ہے

شبِ غم کی سحر ہونے کو آئی
چراغِ زیست بُجھتا جا رہا ہے

اُسے تقدیر سمجھا مَیں نے جو کچھ
تری سرکار سے مِلتا رہا ہے

زبانِ حال سے ہر پھُول کھِل کر
اصُولِ زندگی سمجھا رہا ہے

زمانے کی طرح آنکھیں نہ بدلو
یہ اندازہ اور بھی تڑپا رہا ہے

یہ سب نغمے ہیں اس کے مَیں نہیں ہُوں
وہی سازِ نفس پر گا رہا ہے

بُہت سمجھا چُکا مَیں اپنے دِل کو
مگر اب دِل مجھے سمجھا رہا ہے

زمانے کا بھروسا چھوڑ شنکر
زمانہ کس کا ہے کس کا رہا ہے

دمِ آخر وہ کہتے ہیں ہمیں تجھ سے محبت ہے
مرے دِل میں نہ اب ارمان ہے کوئی نہ حسرت ہے

یہ آشوبِ جہاں، یہ نفسی نفسی، یہ حقیقت ہے
قیامت اور اب کیا آئیگی، یہ ہی قیامت ہے

خجل ہو جائے گا خورشیدِ محشر دیکھ کر جس کو
خُدا رکھے، مرے سینے میں وہ داغِ محبّت ہے

چُھری سے وہ گلا کاٹیں، مرے لب پر دُعائیں ہوں
یہ قانونِ وفا ہے اور وُہ آئینِ اُلفت ہے

وہ بزمِ غیر میں جاتے ہوئے یہ کہہ گئے ہنس کر
مقدّر اپنا اپنا اور اپنی اپنی قسمت ہے

اُنہیں باور نہیں آتا مکرّر اُن سے کہتا ہوں
مجھے تم سے محبّت ہے مجھے تم سے محبّت ہے

جنابِ خضر بھی یہ کہہ کے آخر ہو گئے رُخصت
اسے کہتے ہیں کوچہ عشق کا یہ راہِ اُلفت ہے

تیرے وعدہ پہ اے پیماں شکن کیا اعتبار آئے
کہ ہونٹوں پہ تبسّم ہے تو آنکھوں میں شرارت ہے

جہاں اِنسان کا ، اِنسانیت کا خُون ہوتا ہو
بتائیں آپ اے شنکر وہ دوزخ ہے کہ جنّت ہے

صابر و شاکر رہے شاداں رہے
خوش رہے جس حال میں اِنساں رہے

تمُ کو آئینے میں کیا آیا نظر
مثلِ آئینہ جو تمُ حیراں رہے

اس محبّت کا بُرا ہو عشق میں
چار دن بھی تو نہ ہم شاداں رہے

تھے وہ حُسن و عشق کے راز و نیاز
قیدِ زنداں میں مہِ کنعاں رہے

تمُ نہیں ہو تو تمہاری یاد ہے
خانۂ دل کس لئے ویراں رہے

قتل کر کے ہم کو وہ ہیں مُنفعِل
اور ہم شرمندۂ احساں رہے

مے سے توبہ اِس گھٹا میں مُحتسِب
کیوں فرشتہ بن کے ہر انساں رہے

کِھل کے کلیاں دے رہی ہیں یہ سبق
آدمی کانٹوں میں بھی خنداں رہے

باغ میں دو دِن کو آئی ہے بہار
مثلِ شبنم کوئی کیوں گِریاں رہے

میرے سینے میں جو تھے اُلفت کے داغ
روزِ روشن کی طرح تاباں رہے

کیا حرم، کیا دَیر، ہیں جھگڑوں کے گھر
اِن سے شنکر دُور ہی اِنساں رہے

دَورِ خزاں کبھی، کبھی فصلِ بہار ہے
غم پائدار ہے نہ خوشی پائدار ہے
اے دل رُلائیگا تجھے تیرا خیالِ خام
آئے گا کَون کس کا تجھے انتظار ہے
اِس کی خبر نہیں کہ تُم آؤ گے یا اجل
برسوں سے مَیں ہُوں اور غمِ انتظار ہے
اب مُجھ کو زندگی کا بھروسا نہیں رہا
مَیں نے سمجھ لیا ہے کہ ناپائدار ہے

مَیں نے تو کوئی نیک عمل ہی نہیں کیا
اِس پہ بھی بخش دے تو تجھے اختیار ہے

لایا ہے کون اُن کو یہاں تک کوئی بتلائے
اِس سوچ میں کھڑے ہیں یہ کِس کا مزار ہے

سمجھو یہ زندگی ہے کہ نیرنگِ زندگی
دیکھو بہار ہے کہ فریبِ بہار ہے

شکر دئیے گئے ہیں فریبِ وفا مجھے
راہِ وفا میں پھر بھی قدم اُستوار ہے

ساغر ہے مَے ہے باغ ہے ابرِ بہار ہے
پیرِ مغاں کا اب تو فقط انتظار ہے

کِس سے کہیں کہ کِس لئے دِل بے قرار ہے
کِس کو بتائیں کس کا ہمیں انتظار ہے

چٹکی ہیں کلیاں، پھول کھِلے ہیں بہار ہے
اب آؤ یا نہ آؤ تمھیں اختیار ہے

عہدِ وفا کا پاس ہے اُلفت میں دم کے ساتھ
عاشق ہو آپ کا ہے بڑا جاں نثار ہے

اِس بے کسی پہ اپنا ہے مغرور آدمی
دل پر ہے بس نہ موت پہ کچھ اختیار ہے

شبنم کا گریۂ گُل کی ہنسی کہہ رہے ہیں یہ
غم کو ثبات ہے نہ خوشی کو قرار ہے

غم میں ہمارے کوئی بھی ہوتا نہیں شریک
ایک اُن کی یاد ہے کہ بڑی غمگسار ہے

ہے عید اپنے ہاتھ سے کچھ تو پلائیے
شنکرؔ کو آپ جانتے ہیں بادہ خوار ہے

بھولنے والے کی یاد آتی رہی　　درد بن کر دِل کو تڑپاتی رہی

دِل کے کھو جانے کا ماتم کیا کریں　　جانے والی چیز تھی جاتی رہی

زخم دِل کے ہو چکے تھے لاعلاج　　وہ نظر تدبیر فرماتی رہی

گھِر کے جو آئی تمہارے ہجر میں　　وہ گھٹا تو آگ برساتی رہی

اب وفا ڈھونڈے نہیں ملتی کہیں　　جانے والوں کی طرح جاتی رہی

دِل کو آنا تھا نہ آیا ہوش میں　　عقل ہر اِک گام سمجھاتی رہی

جب سے سمجھا ہے مآلِ زندگی　　دِل سے دُنیا کی ہوس جاتی رہی

مُونسِ تنہائی شنکرؔ کون تھا

یاد اُن کی دِل کو بہلاتی رہی

اے نگاہِ یار دِل مفہوم ہے — جانتا ہوں مَیں مجھے معلوم ہے

آنکھ کہہ سکتے نہیں اُس آنکھ کو — جو تمہاری دید سے محرُوم ہے

کیجئے بندہ نوازی کیجئے — آپ کی شانِ کرم کی دھُوم ہے

ناز ہو جاتا ہے آخر کو نیاز — جو بنے خادم وہی مخدُوم ہے

سب کی سُنتے ہو مگر میری نہیں — یہ مری قسمت مرا مقسُوم ہے

دِل دو عالم کے مسخّر کر لئے — ذرہ ذرّہ حُسن کا محکوم ہے

عشق کی دُنیا اُجڑ کر رہ گئی — حُسن کی فطرت مگر معصُوم ہے

دِل پہ کیا گذری ہے شنکرؔ ہجر میں
کون سمجھے گا کِسے معلوم ہے

مُتفرقات

نغمۂ آزادی

جس کی خاکِ رہگزر تدبیر کیا تقدیر بھی
عام کرنا ہے ہمیں وہ جذبۂ تعمیر بھی

راہِ آزادی میں بڑھنے سے مجھے روکے گا کون
ہے مرے بازو میں دم اور ہاتھ میں شمشیر بھی

اہلِ زنداں نے بالآخر آج ثابت کر دیا
نغمۂ سازِ طرب ہے شورشِ زنجیر بھی

عرصۂ ہستی میں بڑھنا ہے تو کر فکرِ جنوں
عقل از حد سست رو ہے اور دامن گیر بھی

جس کے دامانِ تبسم میں ہیں آزادی کے پھول
دیدۂ نرگس میں ہے اس صبح کی تصویر بھی

ہستیٔ نو کے لئے بربادیٔ کامل ہے شرط
تو ابھی کشتہ تو ہو بن جائے گا اکسیر بھی

میری گویائی کو جس حیرت نے بخشا ہے سکوت
ہے وہی میری نگاہِ شوق کی تفسیر بھی

گر میسّر ہو حضورِ دل تو پھر کیا چاہیئے — یہ وہ عالم ہے عبادت ہے جہاں تقصیر بھی

جس کو دیکھا تھا شہیدانِ وطن نے دار پر — مل گئی آخر ہمیں اُس خواب کی تعبیر بھی

عزمِ راسخ ہو تو پھر تدبیر پر کیا منحصر — ہر اشارے پر ترے قربان ہو تقدیر بھی

اُن کی محفل ہو کہ بزمِ غیر میں کیوں چپ رہوں — ہے زباں منہ میں، زباں میں ہے جرأتِ تقریر بھی

ہنستے ہنستے کیا ہوا آنکھوں میں آنسو آ گئے — بندہ پرور کچھ خطا آخر کوئی تقصیر بھی

کیوں نہ اے شنکر جواہر لعل نہرو پر ہو ناز

آپ اہلِ دل بھی ہیں اور صاحبِ تدبیر بھی

بہارِ آزادی

نسیم کی ہر لطیف کروٹ دِلوں میں جادُو جگا رہی ہے
نگاہِ نرگس مئے شبانہ کے جام پیہم پِلا رہی ہے
چمن چمن خندہ زن ہُوئے ہیں روش روش مُسکرا رہی ہے

وُہ کھُل کے برسا ہے ابرِ نیساں وُہ ہر کلی پر نکھار آیا
پیامِ جشنِ بہار آیا، پیامِ جشنِ بہار آیا

سحر کی پہلی کرن کی ضَو سے چھٹا ہے بادل غم و الم کا
جمود ٹوٹا غلامیوں کا حیات کا آفتاب چمکا
نگاہ ناچی، شباب جھوما، جمال نکھرا جلال دمکا

گلُوئے ہندوستاں سے آخر خزاں کا پھندا اُتار آیا
پیامِ جشنِ بہار آیا، پیامِ جشنِ بہار آیا

بھنچے گھٹے ولولے اُٹھے ہیں خمیرِ گیتی میں تمتما کر

بجھی اُمنگیں چمک اُٹھی ہیں چراغِ عزم و عمل جلا کر

نئی بہاریں پکارتی ہیں تو بزمِ ہستی کو پُرضیا کر

نگاہِ مُردہ میں جان آئی دلِ حزیں کو قرار آیا

پیامِ جشنِ بہار آیا، پیامِ جشنِ بہار آیا

شمیم کی شوخ نکہتوں نے فضا کے ساغر میں رنگ گھولے

چمن کی رنگین وسعتوں میں گھٹا نے جب اپنے بال کھولے

تو فرطِ کیف و سرور و مستی میں صاحبانِ چمن یہ بولے

نظر نظر کامیاب پلٹی نفس نفس کامگار آیا

پیامِ جشنِ بہار آیا، پیامِ جشنِ بہار آیا

وطن کے بے باک رہبروں نے طرب کے لہرائے ہیں پھریرے

طلوعِ نورِ سحر سے بھاگے سیاہ شب کے مہیب اندھیرے

عروسِ جمہوریت کے آگے ہیں سر بہ سجدہ حسیں سویرے

وہ ساعتِ زرنگار آئی وہ دورِ انجم شکار آیا

پیامِ جشنِ بہار آیا، پیامِ جشنِ بہار آیا

باپو

تہذیب و تمدن کو ڈبویا ہم نے
بیکار ہے رونا بھی جو رو دیا ہم نے
شنکرؔ ابھی باپو کی ضرورت تھی ہمیں
کس گوہرِ نایاب کو کھویا ہم نے

تو کر گیا ہم سب سے کنارا باپو
جز صبر نہیں اب کوئی چارا باپو
اس غم کو تو سہنا ہی پڑے گا شنکرؔ
پرماتما کو ہو گیا پیارا باپو

روتے ہیں تجھے دیدۂ پُرنم باپو
شاہد ہے مرا گریۂ پیہم باپو
یہ سچ ہے کہ تو ہم میں نہیں ہے لیکن
تازہ ہے تری یاد کا ماتم باپو

سردار پٹیل

تُو نے اے دستِ اجل یہ کیا کیا — چھین لی افسوس دولت قوم کی
قوم میں وُہ صاحبِ ہمّت نہیں — ٹوٹ جائے کیوں نہ ہمّت قوم کی
اب کہاں وہ صاحبِ ادراک و فہم — جو بدل سکتا تھا حالت قوم کی
جذبۂ ایثار تھا جس میں نہاں — جس کے دل میں تھی محبّت قوم کی
جو نئی تشکیل میں سرگرم تھا — ذہن میں تھی جس کے صُورت قوم کی
جو رواداری میں رکھتا تھا کمال — بھانپ لی تھی جس نے فطرت قوم کی
دُور اندیشی میں جس کی دھاک تھی — دم سے تھی جس کے وجاہت قوم کی

جس پہ ساری قوم کا تھا اعتماد	ساتھ تھی جس کے نیابت قوم کی
روتے ہیں سردار صاحب کے لئے	وہ سراپا تھے ضرورت قوم کی
وہ ہوا رخصت جو جانِ قوم تھا	ہو گئی برگشتہ قسمت قوم کی

چل بسا شنکرؔ امیرِ کارواں
رحم کے قابل ہے غربت قوم کی

ماتمِ شاد

اے نسیمِ سحری تجھ کو خزاں سے کیا کام　　چشمِ راحت کو تری اشکِ رواں سے کیا کام
ٹھنڈی سانسوں کو تری سوزِ نہاں سے کیا کام　　نغمۂ عیش کو کم بخت فغاں سے کیا کام

رُوئے قرطاس سے اک سوگ عیاں ہے افسوس
آج خامہ مرا خاموش زباں ہے افسوس

رونقِ بزم تجھے جدّت و جودت کی قسم　　اپنے اک کھلتے ہوئے رنگِ طبیعت کی قسم
اپنے احباب کی اک تازہ مصیبت کی قسم　　صبح جس کی نہیں اُس شب کی طوالت کی قسم

زینتِ بزم تجھے ڈھونڈنے جائیں تو کہاں
اپنی رُوٹھی ہوئی رونق کو منائیں تو کہاں

سیر کے واسطے تجھ کو تو مِلا تازہ چمن | اور ہمارے لئے ہے گلشنِ فرقت گلخن
اشک شوئی کے لئے لائیں کہاں سے دامن | ڈھونڈتے ہیں تجھے ہر سمت کمالاتِ سخن

تھا جو پھولوں کا ٹھکانا وہ گلستاں نہ رہا
بلبلیں جائیں کہاں، وہ گُلِ خنداں نہ رہا

شاعری کی تری سنسان ہے منزل کیسی | شمعِ محفل ہی نہیں رونقِ محفل کیسی
شورِ ماتم ہے تو آوازِ عنادل کیسی | جانِ بسمل ہی نہیں راحتِ بسمل کیسی

تیری صورت کے لئے شمعِ لگن روتی ہے
یاد کر کر کے تجھے بزمِ سخن روتی ہے

پینے والوں کو نظر آتا ہے ساغر خالی | ہو گیا نظم کا افسوس بھرا گھر خالی
ہے تمنائے سکوں سے دلِ مضطر خالی | جس میں بستے تھے مضامیں وہ جہاد خالی

اُف ترا دوشِ ہوا پر بھی جنازہ نہ ملا
پھول اس باغ میں ایسا کوئی تازہ نہ ملا

رنگِ تصویر گیا نظم کی تصویر کے ساتھ — آہ رخصت ہوئی دِل چھوڑ کے تاثیر کے ساتھ

جوشِ وحشت نہ رہا جنبشِ زنجیر کے ساتھ — عکسِ تنویر بھی غائب ہُوا تنویر کے ساتھ

اب کہاں دارِ فنا اور عدم آباد کہاں

نام ہی نام ہے بہزاد کا بہزاد لو کہاں

گلشنِ نظم میں ہے شام سے ماتم تیرا — بین کرتی ہے ہزار اشک سے شبنم تیرا

کون سا دل ہے کہ جس دل میں نہیں غم تیرا — مرثیہ اہلِ سخن پڑھتے ہیں باہم تیرا

ہو گئی ہر دلِ غمگیں کی تمنّا تاریک

اہلِ دنیا کو نظر آتی ہے دُنیا تاریک

مِل کا مالک تھا مگر تجھ کو کفن بھی نہ مِلا — جیڑ کے واسطے افسوس وطن بھی نہ ملا

تو وہ تھا جس کو کبھی رنج و محن بھی مِلا — تن کے تجھ سے یہ کبھی چرخِ کہن بھی نہ مِلا

تجھ کو احسان گوارا کسی عنواں نہ ہُوا

تو کفن کا بھی تو شرمندۂ احساں نہ ہُوا

دیدۂ تار کہاں اور کہاں مُرلی دھر — بے نشانوں کا بنا آج نشاں مرلی دھر
ہو مُبارک تجھے خاموش جہاں مرلی دھر — ہم ہیں اور ہے تری فرقت کی فغاں مرلی دھر

آہ صورت تری آنکھوں سے نہاں ہے افسوس
آج شنکر کی زباں مرثیہ خواں ہے افسوس

رُباعیات وقطعات

۱

گرتے ہُوئے گرنے سے سنبھل جاتے ہیں
رُخ سیلِ حوادث کے بدل جاتے ہیں
سچ کہتا ہوں میں۔ قوم کی یک جہتی سے
آئے ہُوئے طوفان بھی ٹل جاتے ہیں

۲

اے دوست کہاں ضبط کا یارا ہے مجھے
بے موت غمِ ہجر نے مارا ہے مجھے
اُن سے کوئی ملنے کی نکل آئے سبیل
دشمن کا بھی احسان گوارا ہے مجھے

۳

مجھ کو کبھی آرام نہ آیا ساقی
تو بھی تو مرے کام نہ آیا ساقی
خُم بھی ہُوئے خالی ترے مے خانے میں
مُجھ تک ہی کوئی جام نہ آیا ساقی

(۴)

کچھ تجھ سے طلب کرتی ہے دُنیائے عمل
جو آج میسّر ہے وُہ چھن جائے گا کل

گردشِ پیمانہ بھی تھم جائے گی
ہے وقت سنبھلنے کا سنبھل اب بھی سنبھل

(۵)

چڑھتا ہوا دریا بھی اُتر جاتا ہے
بگڑا ہوا ہر کام سنور جاتا ہے

ٹوٹی ہوئی ہمّت کا سہارا لے کر
ہر دور سے اِنسان گزر جاتا ہے

(۶)

کیوں نہ حاصل ہو ہمیں ان سے فراغ
دیکھنے سے دل نہ ہو کیوں باغ باغ

دل کی ٹھنڈک ہیں تو ہیں آنکھوں کا نُور
یہ جو دیوالی کے روشن ہیں چراغ

(۷)

ہر یاس کو اُمیّد بنا دیتی ہے
ناقابلِ تردید بنا دیتی ہے

اُس چشمِ عنایت کی ضرورت ہے مجھے
ذرّے کو جو خورشید بنا دیتی ہے